ہندوستان کی بزرگ ہستیاں

حصہ دوم

صفدر حسین

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

ہندوستان کی بزرگ ہستیاں

حصہ دوم

صفدر حسین

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

پہلی اشاعت	:	1988
پانچویں طباعت	:	2011
تعداد	:	2100
قیمت	:	-/16 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	544

Hindustan Ki Buzurg Hastiyan II

By

Safdar Hussain

ISBN : 978-81-7587-697-2

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099

شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
فون نمبر: 26109746، فیکس: 26108159

ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز-II، نئی دہلی-110020

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho(Top) کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

مہاویرجی

دُنیا میں جب بھی بُرائیاں زیادہ ہونے لگیں اور لوگ گناہوں کی زندگی گذارنے لگے تو اُن بُرائیوں کو دُور کرنے اور لوگوں کو نیک زندگی گذارنے کی ہدایت دینے کے لیے کوئی نہ کوئی مہاتما جنم لیتے رہے۔ چنانچہ آج سے تقریبًا دو ہزار پانچ سو سال پہلے جب دُنیا میں ہرطرف بُرائیاں پھیلی ہوئی تھیں، مہاویر جی کا جنم ہوا اور اُنھوں نے دُنیا کو بُرائیوں سے بچانے کا کام انجام دیا۔

مہاویر جی کے والد سدھارتھ، چھتری خاندان کے ایک معمولی آدمی تھے۔ لیکن ترقی کرتے کرتے ایک بڑے درجہ پر پہونچ گئے اور راجہ کے خاص لوگوں میں اُن کا شمار ہونے لگا۔ بعد میں راجہ نے اپنی بیٹی تری شلا سے اُن کی شادی

کردی۔

ہر عورت کی طرح، تری شلا کی بھی خواہش تھی کہ اُن کے لڑکا پیدا ہو۔

کہتے ہیں کہ اُنھوں نے ایک ہی رات میں بارہ عجیب سے خواب دیکھے! پہلے خواب میں اُنھوں نے ایک سفید ہاتھی دیکھا، جس کی آواز بادل کی گرج جیسی تھی۔ دوسرے خواب میں کیا دیکھتی ہیں کہ ایک سفید شیر اپنی زبان نکالے آسمان کی طرف سے اُن پر حملہ کر رہا ہے۔

تیسرے خواب میں تری شلا نے خود کو کنول کی پنکھڑیوں پر بیٹھے دیکھا اور وہی سفید ہاتھی اُن پر اپنی سونڈ سے پانی چھڑک رہا تھا۔

سویرے جب انھوں نے اپنے شوہر کو رات کے تمام خواب سُنائے تو سدھارتھ اُن کا مطلب کچھ بھی نہ سمجھ سکے۔ اُنھوں نے نجومیوں اور پنڈتوں کو بُلایا۔ پنڈتوں نے خوش خبری دی کہ اُن کے گھر ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔ تری شلا خوش تھیں کہ اُن کے دِل کی آرزو پوری ہونے والی ہے۔

پنڈتوں کی بات سچ ہوئی اور ۵۹۹ ق.م' میں ضلع بہار کے ایک گاؤں کنڈل پور میں تری سَشلا کے لڑکا پیدا ہوا۔ جب لڑکا تین دِن کا ہوا تو اُسے چاند اور سورج دکھائے گئے اور بارہ دن کے بعد اُس کا نام ورَدھاماتا رکھا گیا۔ یہی لڑکا آگے چل کر مہاوَیر جی کے نام سے مشہور ہوا۔

امیر ماں باپ نے اپنے بیٹے کی پرورش بڑے لاڈ و پیار سے کی۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے چار عورتیں نوکر رکھی گئیں۔ ایک اُن کو نہلاتی، دوسری کپڑے پہناتی، تیسری کھیلتے وقت اُن کے ساتھ رہتی، اور چوتھی اُنہیں گود میں اٹھائے پھرتی تھی۔

مہاوَیر جی بچپن ہی سے بڑے نڈر اور بہادر تھے۔ وہ اپنی عمُر کے بچّوں میں سب سے زیادہ طاقت ور تھے۔ ایک مرتبہ وہ شاہی محل کے باغ میں اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، اتنے میں ایک مَست ہاتھی اُدھر آ نکلا۔ اُن کے سارے ساتھی ڈر کر بھاگ گئے لیکن مہاوَیر جی اپنی جگہ پر ہی کھڑے رہے اور جب ہاتھی اُن پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تو وہ سونڈ پکڑ کر اس کے اوپر چڑھ گئے۔ اگر وہ

اُس وقت ہمّت سے کام نہ لیتے تو ہاتھی اُن کو پیروں سے کچل دیتا۔ اِسی بہادری کی وجہ سے اُن کا نام مہاویر پڑ گیا۔

مہاویر جی چھوٹی عمر ہی سے اکیلے بیٹھے گھنٹوں سوچا کرتے تھے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر ماں باپ نے اُن کی شادی کر دی۔ اُن کی بیوی یشودھا پڑھی لکھی اور سمجھدار تھیں۔ شادی کے بعد اُن کے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام آنوجہ رکھا گیا۔

مہاویر جی جب تیس برس کے ہوئے تو ان کے ماں اور باپ انتقال کر گئے تھے۔ مہاویر جی کے والدین کے مرنے کا قِصّہ بھی عجیب ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن دونوں بستر پر لیٹ گئے اور کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا۔ بھوکے رہنے سے وہ دن بدن کمزور ہوتے گئے اور آخرکار ایک ہی دن دونوں ایک ساتھ مر گئے۔

ماں باپ کے اس طرح مر جانے سے مہاویر جی کو بڑا دُکھ ہوا۔ وہ پہلے ہی سے دُنیا کی چیزوں سے دُور دُور

رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ماں باپ کے انتقال کے دو دن بعد ہی انھوں نے اپنے بڑے بھائی سے اجازت لی اور گھر بار چھوڑ کر جنگل کی طرف چل دئے۔

اُن کا ایک ساتھی گوسالا بھی اُن کے ساتھ ہو گیا۔ لیکن چھ سال کے بعد ہی وہ سخت محنت سے گھبرا گیا اور جنگل سے واپس آکر پھر دُنیا کے گورکھ دھندے میں پھنس گیا۔ مگر مہاویر جی برابر سچّائی کی تلاش میں لگے رہے۔ بارہ سال تک وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتے رہے۔ وہ کسی گاؤں میں ایک رات سے زیادہ نہیں ٹھہرتے تھے۔

ایک مرتبہ مہاویر جی، کمارا گرام گاؤں کے باہر ایک درخت کے نیچے خدا کا دھیان کیے بیٹھے تھے۔ گو اُن کی آنکھیں کھُلی تھیں لیکن وہ دیکھ نہیں رہے تھے۔ ایک کسان وہاں سے گذر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بے کار سا بیٹھا ہے تو اُس نے اپنے بیل وہاں چھوڑ دیئے اور مہاویر جی سے اُن کی نگرانی کرنے کے لیے کہہ کر چل دیا۔ مہاویر جی بھگوان کے دھیان میں اتنے کھوئے ہوئے تھے کہ نہ تو انھوں نے اُس کسان کی آواز سنی اور نہ ہی اس کے بیل دیکھے۔ کچھ دیر بعد

جب وہ کسان واپس آیا تو مہاویر جی کو وہیں بیٹھا ہوا پایا۔ مگر اس کے بیل غائب تھے۔ کسان نے سارا گاؤں ڈھونڈ مارا لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ شام کو وہ تھک کر اپنے گھر چلا گیا۔ کسان کے جاتے ہی اس کے بیل وفادار جانور کی طرح مہاویر جی کے پاس آکر بیٹھ گئے اور صبح ہوتے ہی وہ اپنے مالک کے کھیت پر چلے گئے۔

کسان نے رات جوں توں کر کے کاٹ دی اور سویرے مہاویر جی کی تلاش میں چل کھڑا ہوا۔ مہاویر جی اب تک اسی درخت کے نیچے ویسی ہی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کسان یہ دیکھ کر بہت غصّہ ہوا اور یہ سمجھ کر کہ بیل اِسی شخص نے چرائے ہیں، مہاویر جی کو مارنا اور پیٹنا شروع کیا۔ مہاویر جی بھگوان کے دھیان میں اِتنے کھوئے ہوئے تھے کہ انھیں اپنے جسم تک کا خیال نہ تھا اور اسی لیے انھیں اُن ماروں سے تکلیف بھی نہیں پہونچی۔ آخرکار اسی کسان کے ایک بھائی نے اُسے روکا۔ پھر شام کو جب کسان اپنے گھر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ بیل موجود ہیں۔ کسان اپنے کیے پر بہت پچھتانے لگا اور فوراً آکر مہاویر جی کے قدموں پر

گر گیا اور معافی چاہی۔

مہاویر جی اِسی حالت میں بغیر کچھ کھائے پیئے تین روز تک وہیں درخت کے نیچے بیٹھے رہے۔ آخر تیسرے دن انھیں ایک روشنی دکھائی دی۔

اس طرح بارہ سال تک مصیبت اٹھانے کے بعد اُنھیں سچّائی کا راستہ مِلا۔ اور اُن کے دِل سے دُنیا کی محبّت ختم ہو گئی۔ اس کے بعد سے وہ "مہاویر جین"، کہلانے لگے اور اسی لیے اُن کے پَیرو "جین" کہلاتے ہیں۔

اب مہاویر جی نے متھلاؔ اور کوشلیاؔ کی ریاستوں میں گھوم پھر کر جینؔ مذہب کا پرچار کرنا شروع کیا۔ وہ جہاں بھی جاتے سچّائی اور جانداروں پر رحم کرنے کی تعلیم دیتے۔

وہ کہتے تھے کہ چھوٹے سے چھوٹے جاندار میں بھی خدا کی دی ہوئی جان ہے۔ اس لیے دوسروں کو ستانا پاپ ہے۔ جینؔ مذہب کسی جاندار کو بھی مارنے کی تعلیم نہیں دیتا۔ اور اسی لیے جینؔ دھرم کے ماننے ولے

اپنے ہاتھ سے کسی جاندار کو نہیں مارتے۔

مہاویر جی آخر وقت تک اپنے مذہب کے پرچار میں لگے رہے۔ اور آخری زمانے میں وہ مگھدا کی ریاست کے ضلع پٹنہ میں آکر رہ گئے۔ وہاں رہنے کے چند روز بعد راج گڈھ کے پاس ۷۲ سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوگیا۔

اُن کے مرنے کے ایک سو سال کے اندر ہی جین مذہب راجپوتانہ اور سارے جنوبی ہندوستان میں پھیل گیا۔ جینیوں کے مندر میں مہاویر جی کی مورتی رکھی جاتی ہے۔ جینی لوگ روزانہ مہاویر جی کی پوجا کرتے ہیں۔

ہندوستان میں جینیوں کے کئی مقدس مقام ہیں۔ جن میں دو مشہور ہیں۔ ایک تو بنگال میں پرس ناتھ کا مندر اور دوسرا کاٹھیاواڑ میں پالتنا۔

مہاویر جی، گو جینیوں کے بھگوان نہیں تھے۔لیکن بھگوان کی طرح اُن کو پوجا جاتا ہے۔

مہاویر جی نے اپنی ۷۲ سال کی زندگی میں جو نیک باتیں بتائیں ہیں وہ ہزاروں سال بعد آج بھی زندہ ہیں۔

اور اس کا ثبوت اُن کے وہ پیرو ہیں جو آج ہندوستان کے ہر حصّے میں پائے جاتے ہیں۔

مہاویر جی نہ صرف جین مذہب کے بانی ہیں بلکہ اُن کا شمار ہندوستان کے بڑے مہاتماؤں میں ہوتا ہے اور دوسرے مذہب کے لوگ بھی ان کی زندگی سے سبق حاصل کرتے ہیں۔

سری بسویشور

کوئی تیرہ سو برس پہلے کی بات ہے کہ بیجاپور کے ایک گاؤں باگیواڑی میں مادرس نامی برہمن رہتے تھے۔ اُن کی بیوی کا نام ولامبکی تھا۔ یہ میاں بیوی دونوں ہی شیو کے بھگت تھے۔ یعنی دن رات شیو جی کی پوجا میں وقت گذارا کرتے تھے۔

شیو جی کی کرپا سے ان کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام انھوں نے "بسوا" رکھا۔ ماں باپ اس ہنستے کھیلتے بچّے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کرتے۔ دونوں ہی اس بچّے کو بے حد چاہتے تھے۔

یہ بچّہ جب ذرا بڑا ہوا تو اسے بستی کے مدرسہ میں پڑھنے کے لیے بھیجا گیا، جہاں وہ پڑھنا لکھنا اور حساب سیکھا کرتا تھا

وہ مدرسے میں جی لگا کر پڑھتے جب وقت بچتا تو پرماتما کی طرف دھیان لگائے بیٹھے رہتے۔ اس سے انھیں ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوتی۔ ماں باپ کی طرح وہ بچّہ بھی سچّا شیوَ بھگت تھا۔ بستی والوں نے تاڑ لیا کہ یہ بچّہ آگے چل کر ایک بڑا آدمی بنے گا۔

بسَوا کی عمر جب آٹھ سال کی ہوئی تو ماں باپ کو اپنے اکلوتے بیٹے کی، "جنوا" کی رسم ادا کرنے کی فکر ہوئی۔ لیکن بسَوا کو یہ پسند نہ تھا۔ جب ماں باپ نے زبردستی کی تو اس نے کہا: "میں تو شیوَجی کا چہیتا داس ہوں' میرے لیے 'جنوا' کی رسم ادا کرنے کی ضرورت نہیں"

بھلا آٹھ برس کے بچّے کی بات کون سُنتا۔ ماں باپ رسم کی تیّاری کرنے لگے۔ لیکن بسَوا اَڑ گئے۔ انھوں نے کسی کی ایک نہ سُنی۔ آخر کار اُن کے ماں باپ نے غصّہ میں آکر اُن کو گھر ہی سے نکال دیا۔

بسَوا کچھ کہے بغیر گھر سے نکل گئے اور سیدھے سنگمَ ناتھ کے مندر میں جا کر بیٹھ گئے اور وہیں رات دِن گذارنے لگے۔ چند روز بعد رِشی جاتَن ویدنے بسَوا کو ایشور تک

پہونچنے کا صحیح راستہ بتایا۔ بسوا ۔ اُن کو گرو مان لیا۔ اور اُن کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے لگے۔

کچھ ہی دِن کی عبادت کے بعد انھیں بھگوان کے درشن ہو گئے۔ اب وہ بالکل بدل گئے تھے۔ ان کی باتوں میں بچوّں کا سا بھولا پن نہ تھا بلکہ اب وہ رِشیوں کی طرح باتیں کرتے تھے۔ وہ ہر ایک سے محبّت کا برتاؤ کرتے اور جو بھی اُن سے مِلتا اُسے نیکی کا راستہ بتاتے۔ سچ بولنے کی ہدایت کرتے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا سبق دیتے۔ وہ بالکل سادہ زندگی گذارتے تھے۔ ان میں غرُور نام کو نہیں تھا۔ وہ ہر ایک سے برابر کا سلوک کرتے تھے۔

چند سال سنگم ناتھ کی دیول میں گذارنے کے بعد وہ کلیان چلے گئے۔ اُس وقت کلیان پر راجا بجلا حکومت کرتا تھا۔ اور بلدیو اُس کا وزیر تھا۔ بسوا کی نیک عادتوں کا ہر طرف چرچا ہونے لگا۔ بلدیو نے بسوا کے اچھّے گُن دیکھ کر اپنی لڑکی گنگامبکا کی شادی اُن سے کر دی۔

بلدیو تو ریاست کا وزیر تھا۔ آخر اُس کے گھر میں کس بات کی کمی تھی۔ اچھا کھانا، اچھا کپڑا، کام کاج کے لیے نوکر چاکر سب

ہی کچھ تھا۔ مگر بسؔواجی ان ساری چیزوں سے دل چسپی کب رکھتے تھے ؟ اُنھیں آرام کی زندگی بالکل پسند نہ تھی۔ وہ ذرا دیر بھی بے کار رہنا نہیں چاہتے تھے، کاہلی سے اُن کو نفرت تھی۔ وہ کہتے تھے : " ہر آدمی کو اپنی روزی آپ کمانا چاہیئے۔ کیونکہ بے کار رہنا بڑا پاپ ہے۔"

اسی خیال سے وہ ایک دوسرے وزیر کے پاس نوکر ہو گئے، جس کا نام سِدّنا تھا۔ اُس کے پاس وہ نہایت ایمانداری اور محنت سے کام کرنے لگے۔ سِدّنا اُن کی نیک عادتوں اور کام سے بہت خوش ہوا اور اُس نے اپنی لڑکی نیلاؔمبکا سے اُن کی شادی کر دی۔

کام کے بعد جو وقت بچتا اس میں بسؔواجی بھگوان سے لَو لگائے بیٹھے رہتے۔ اُن کے برتاؤ سے سب ہی خوش تھے۔ اور ہر ایک اُن کی عزّت کرتا تھا۔

کچھ عرصے کے بعد بلدؔیو کا انتقال ہو گیا تو بہت سے لوگ وزیر بننے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانے لگے۔ بسؔواجی شیوؔ کے بھگت تھے، انھیں مال و دولت سے کچھ واسطہ ہی نہیں تھا۔ لیکن راجا بجلاؔ بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ اتنے عرصے میں وہ

بسواجی کی قابلیت اور ایمانداری سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ گو دوسروں نے وزیر بننے کی بہت کوشش کی۔ لیکن بجلا نے کسی کی نہ سُنی اور بسواجی کو بلدیو کی جگہ وزیر مقرر کر دیا۔

سری بسویشور نے وزیر بن کر راج پاٹ کا کام نہایت سلیقے سے انجام دیا۔ سب انسان اُن کی نظر میں برابر تھے۔ وہ رات دن غریبوں کی خدمت کرتے تھے۔ وزیر ہو جانے کے باوجود وہ نہایت سادہ زندگی گذارتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی اور لوگ اُن کے درشن کے لیے آنے لگے۔ اب تو وہ لوگوں کے لیے مہاتما بن گئے تھے۔ اُن کے پیروؤں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ ان شیو بھگتوں کے لیے سری بسویشور نے ایک جماعت قائم کی جس کا نام اُنھوں نے "آنو بھوانندپ" رکھا۔ ہزاروں لوگ اُن کے اِس سنگھ میں شریک ہونے لگے۔ شیو کے بھگتوں کے لیے انھوں نے ایک آشرم بھی بنایا۔ یہاں لوگوں کو سچائی اور ایمانداری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ سری بسویشور اپنے پیروؤں کو اچھی اچھی باتیں

سکھاتے تھے۔ اُن کے پیرو گاؤں گاؤں پھر کر غریب لوگوں
کی خدمت کرتے تھے۔

سری بسویشور ویدوں اور آواگون کے عقیدے کو
نہیں مانتے تھے۔ اُن کے پاس ذات پات کا کوئی فرق نہ تھا
اور انھوں نے بچپن کی شادیوں کی بھی مخالفت کی تھی۔

اُن کے پیرو "لنگایت" کہلاتے ہیں جو اپنے گرو بسوا جی
کو "سری بسویشور" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس فرقے کے
لوگ شیو جی کے پجاری ہیں۔

آج بھی اس فرقے کے لاکھوں آدمی سارے ہندوستان
میں بستے ہیں۔

چونکہ بسویشور جی کے نزدیک ذات پات کی کوئی پابندی
نہ تھی۔ اس لیے ہر ذات کے لوگ اُن کے پیرو بنتے گئے، جن میں
برہمن بھی تھے اور نیچ ذات کے لوگ بھی، اور وہ آپس میں
شادیاں بھی کرنے لگے تھے۔

یہ بات راجا بجلا کو بُری لگی اور اِسے بہت غصّہ آیا اور
اس نے ایسی شادیاں کرنے والوں کی آنکھیں نکلوا دیں۔
اس واقعہ سے سارے لوگوں میں ایک گڑبڑ مچ گئی۔

راجا کے خلاف نفرت پھیل گئی۔ سب مل کر راجا بجلا کو مار ڈالنے
کی ترکیبیں سوچنے لگے۔

جب بسویشور جی کو راجا کے اس ظلم کے بارے میں معلوم
ہوا تو وہ بہت دکھی ہوئے اور انھوں نے ایک دھوتی پہنی،
ایک چادر اوڑھی اور بیوی کو خدا حافظ کہہ کر سنگمیشور کے
مندر میں جا بیٹھے. مندر میں کئی دِن تک ان کی آنکھوں سے
آنسو بہتے رہے اور روتے روتے ہی اُن کا انتقال ہوگیا.

بسویشور جی کی موت کا واقعہ یہ بتلاتا ہے کہ اُن کے دِل
میں انسانوں کے لیے کتنا پریم تھا۔ آج نہ تو ظالم راجا باقی
ہے اور نہ بسویشور جی ہی زندہ ہیں، لیکن ان دونوں کے
عمل میں جو فرق ہے، اس فرق کی وجہ سے راجا کو بھلا دیا گیا،
اور بسویشور جی کے نام لینے والے اور اُن کی تعلیم پر عمل
کرنے والے لوگوں کا لاکھوں کی تعداد میں حلقہ بڑھتا ہی
جا رہا ہے اور اس طرح بسویشور جی اپنے اچھے عمل سے
رہتی دنیا تک اچھے الفاظ میں یاد کیے جاتے رہیں گے.

خواجہ نظام الدّین

ہندوستان کے ایک شہر بدایوں میں ۱۲۳۶ء
میں ایک لڑکا پیدا ہوا' جس کا نام نظام الدّینؒ محمّد رکھا
گیا۔ یہ وہی ہونہار لڑکا ہے جس کو ہند و پاکستان' عرب
افغانستان اور چین کے لوگ خواجہ نظامُ الدّینؒ اولیا
کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آج بھی دہلی میں اُن کی درگاہ
کے قریب ہی ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ جس کا
نام " نظام الدّین " ہے۔

خواجہ نظام الدینؒ کے دادا اور نانا، بخارا کے
رہنے والے تھے۔ لیکن وہ لاہور میں بس گئے تھے۔
اور اُن کے والد مولانا سیّد احمد' بدایوں میں رہتے تھے۔
خواجہ نظام الدّینؒ کی پیدائش بدایوں ہی میں ہوئی۔اُن کی

والدہ سیّدہ زلیخا بہت نیک عورت تھیں۔

یہ بات مشہور ہے کہ خواجہ نظام الدّینؒ کے پیدا ہونے کے بعد ان کی والدہ دو روز تک خواب میں ایک آواز سُنتی رہیں: "بچّے کو پسند کرو یا شوہر کو"۔

ابھی خواجہ نظام الدّینؒ پانچ برس کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اُن کے والد کا انتقال ہو گیا۔ پھر ماں نے سوت کات کر اپنے بچّے کی پرورش کی۔ کئی مرتبہ فاقے بھی ہو جاتے، مگر خواجہ نظام الدّینؒ اپنی والدہ سے کوئی شکایت نہ کرتے۔

جس دن گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا، اُن کی والدہ کہتیں: "بابا نظام الدّینؒ، آج ہم خدا کے مہمان ہیں"۔ یہ بات سُن کر بیٹے کو دِلی خوشی ہوتی کہ ہم خدا کے مہمان ہیں۔

بیس برس تک کھینچ تان کر بدایوں میں رہے اور تعلیم پاتے رہے۔ یہاں تعلیم ختم ہوئی تو والدہ کے ساتھ دہلی آئے اور یہاں کچھ عرصہ تک خواجہ شمس الدّینؒ نامی ایک بزرگ سے تعلیم حاصل کی۔

ایک دِن استاد کے پاس پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور بابا فریدالدینؒ گنج شکر کا حال بیان کرنے لگا۔ یہ حال سُنتے ہی خواجہ نظام الدینؒ کے دِل میں اُن سے مِلنے کا شوق پیدا ہوا۔ رات دِن پیدل چلتے ہوئے وہ بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے پاس پہونچے اور اُن کے مُرید بن گئے۔

ایک عرصہ تک جنگلوں میں عبادت کرتے رہے، پھر اجودھن آ گئے۔ یہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ اُن کے مُرید ہونے کے لیے آنے لگے اور اس کی وجہ سے عبادت میں ہرج ہونے لگا تو انھوں نے خدا سے دُعا مانگی: "یا اللہ، میرے لیے جو جگہ مناسب ہو، بتا۔" غیب سے آواز آئی: "تیری جگہ غیاث پور ہے۔" وہ غیاث پور آ گئے لیکن یہاں بھی لوگ جمع ہونے لگے تو پھر جگہ بدلنے کا ارادہ کیا۔

ایک روز حوض کے کنارے بیٹھے قرآن شریف پڑھ رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے کہا: "اوّل تو مشہور نہ ہونا اور جب مشہور ہوا ہے تو پھر نہیں گھبرانا۔"

اس کے بعد ہی انھوں نے غیاث پور سے کسی دوسری جگہ جانے کا خیال ہی دِل سے نِکال دیا۔

اب وہ اپنا سارا وقت لوگوں کی خدمت میں گذارنے لگے۔ دِن میں روزہ رکھتے اور شام میں تھوڑا سا کھا لیتے۔ جب اُن کے خادم کہتے کہ اِس قدر کم کھانے سے آپ کمزور ہو جائیں گے تو خواجہ نظام الدینؒ کہتے: "جب اتنے غریب اور فقیر بھوکے پڑے ہیں تو میں کیسے پیٹ بھر کھاؤں؟"

خواجہ نظام الدینؒ کی زندگی بہت تنگی میں بسر ہو رہی تھی۔ ایک دِن ایک بڑھیا آئی۔ اُسے معلوم تھا کہ خواجہ نظام الدینؒ اور اُن کے ساتھی بھوکے ہیں۔ اس بڑھیا کے پاس جَو کا آدھ سیر آٹا تھا۔ اس نے وہ خواجہ نظام الدینؒ کے ایک خادم کو دے دیا۔ اور خادم نے اس میں پانی مِلا کر پکانا شروع کیا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا: "نظام الدینؒ کچھ کھلاؤ۔" خواجہ صاحب نے کہا: "کچھ دیر ٹھہر جاؤ، کھانا پک رہا ہے۔" لیکن وہ کہتا رہا کہ جیسا کچھ بھی ہے اٹھا لاؤ۔ انھوں نے ہانڈی لاکر سامنے رکھ دی۔ اس نے گرم گرم ہی کھانا شروع کر دیا اور کھانے کے بعد

ہانڈی بھی پھوڑ ڈالی، اور دعا دے کر چلا گیا۔

اس واقعہ کے بعد سے اگر تھوڑا بھی پکاتے تو ہزاروں کے لیے کافی ہو جاتا۔ اور پھر ہزاروں آدمی روزانہ خواجہ صاحبؒ کے لنگر میں کھانے لگے اور اب تو اتنے مہمان آنے لگے تھے کہ لنگر خانے میں صرف نمک کئی ہزار من خرچ ہوتا تھا۔

جب بادشاہِ وقت کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے قاضی کو حضرتؒ کے پاس بھیجا کہ وہ معلوم کرے، آخر نظام الدینؒ کے پاس اتنی دولت روز کہاں سے آتی ہے؟ بادشاہ کو یہ گمان ہوا کہ اس کے دربار کے لوگ خواجہ نظام الدینؒ کو شاہی خزانے سے روپیہ پیسہ دیتے ہیں۔

خواجہ نظام الدینؒ نے یہ سُن کر اپنے خادم خواجہ اقبال سے کہا: "آج سے لنگر خانے کا خرچ دُگنا کر دیا جائے۔" اور ایک طاق کی طرف اشارہ کر کے کہا: "جس چیز کی ضرورت ہو اس طاق میں ہاتھ ڈال کر لے لیا کرو۔

جب قاضی نے بادشاہ سے بتایا کہ خواجہ نظام الدینؒ کو غیب سے مدد ملتی ہے تو وہ بہت شرمندہ ہوا اور خواجہ نظام الدینؒ کو اپنے دربار میں بلایا۔ خواجہ صاحبؒ نے قاضی سے کہا: "بادشاہ سے کہہ دو، میں ایک فقیر ہوں، کسی بادشاہ سے نہیں ملتا۔

بادشاہ یہ سن کر آگ بگولہ ہوگیا اور کہا کہ نظام الدینؒ کو میرا حکم ماننا ہوگا۔ لیکن خواجہ نظام الدینؒ بادشاہ سے ملنے کے لیے نہیں گئے اور بادشاہ اُن کو سزا دینا چاہتا تھا۔ مگر سزا دینے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا۔

خواجہ نظام الدینؒ ہمیشہ لوگوں کو بُرائی سے روکتے رہے۔ ایک امیر سوداگر خواجہ صاحبؒ کا دشمن ہوگیا تھا۔ ایک روز اس نے شراب پینے کا ارادہ کیا۔ لیکن کیا دیکھتا ہے کہ خواجہ نظام الدینؒ سامنے کھڑے ہیں اور اُنگلی کے اشارے سے منع کر رہے ہیں۔ سوداگر اُن کی طرف بڑھا مگر وہ غائب ہو گئے۔ اُس کے بعد سے سوداگر جب کبھی شراب پینے کے لیے ہاتھ بڑھاتا تو خواجہ نظام الدینؒ

پھر نظر آنے لگتے۔ یہ حال دیکھ کر سوداگر نے شراب پینا ہی چھوڑ دیا اور توبہ کرکے ایک نیک آدمی بن گیا۔

خواجہ نظام الدینؒ کی تعلیم سے بادشاہ سے لے کر غریب تک سب ہی عبادت کے پابند ہو گئے اور لاکھوں انسان اُن کے مُرید ہو گئے۔

جب کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ خواجہ نظام الدینؒ کے پاس چلا آتا اور خدا کے حُکم سے اس کا کام بن جاتا۔

ایک مرتبہ خواجہ نظام الدینؒ کے ایک مُرید نے اُن کی دعوت کی۔ عین وقت پر زیادہ مہمان آ گئے۔ کھانا تھوڑا تھا۔ مُرید گھبرا گیا تو خواجہ نظام الدینؒ نے خادم سے کہا: "ہر ایک روٹی کے چار چار ٹکڑے کرکے چادر سے ڈھانک دو، اور اس میں سے نکال کر سب کو تقسیم کرنا شروع کر دو۔" خدا نے اس روٹی میں ایسی برکت دی کہ پچاس آدمی کا کھانا کئی سو کے لیے کافی ہو گیا اور اس چادر میں سے جتنی روٹیاں نکالی جاتیں، پھر اتنی ہی زیادہ ہو جاتیں۔

خواجہ نظام الدینؒ سب کو خدا پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ کچھ مِلے تو جمع نہ کرنا، نہ ملے تو فکر نہ کرنا۔ خدا ضرور دے گا۔ کسی کی برائی نہ کرنا۔ کبھی قرض نہ لینا اور کسی سے بُرائی کا بدلہ نہ لینا۔ بادشاہ ہو کہ فقیر اُن کی نظر میں سب برابر ہیں۔

وہ آخری وقت تک غریبوں کی مدد کرتے رہے۔ اپنا سارا وقت خدا کی یاد میں اور عبادت میں گذارتے اور ہر رات اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیتے اور تمام رات عبادت کرتے رہتے جب صبح دروازہ کھولتے تو رات بھر جاگنے کی وجہ سے اُن کی آنکھیں لال ہو جاتی تھیں۔

کہتے ہیں، خواجہ نظام الدینؒ نے مرنے سے چالیس روز پہلے ہی سے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا اور جب اُن کے مرنے کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے خادم خواجہ اقبالؔ کو بلا کر کہا کہ جو کچھ مال گھر میں ہے سب غریبوں میں تقسیم کر دو۔" خواجہ اقبالؔ نے کہا، "روزانہ جو کچھ آتا ہے اُسی دن خرچ ہو جاتا ہے۔ البتہ کچھ اناج لنگر خانے میں

ہے، پکانے کے لیے رکھا ہے۔" آپ نے کہا: " لنگر بھی تو غریبوں ہی کے لیے ہے۔" غرض اُن کے حکم سے اسی وقت سارا غلّہ غریبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

خواجہ نظام الدینؒ کی کمزوری بڑھتی ہی گئی۔ کمزوری کی حالت میں وہ اکثر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ آخر ۹۴ برس کی عمر میں ۱۳۲۴ء میں انتقال کر گئے اور ساری دنیا کو سچائی اور نیکی کا ایک سبق دے گئے۔

بھگت کبیر

پندرھویں صدی عیسوی میں جب کہ سارے ہندوستان میں ذات پات کے جھگڑے پھیلے ہوئے تھے کبیرؔ داس نے سچی باتیں بتائیں کہ خدا ایک ہے اور تمام انسان برابر ہیں۔ انھوں نے اس بات کا پرچار کیا کہ آدمی کی نجات صرف اس کے نیک کاموں سے ہوسکتی ہے نہ کہ اس کے خاندان یا ذات سے۔ نیچی ذات والے بھی بھگوان سے محبت اور بھگتی کے ذریعہ بڑے سے بڑا مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔

ایسی نیک باتیں بتانے والے بھگت کبیرؔ داس کے بچپن کی کہانی بڑی عجیب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بنارس شہر میں ایک بڑے مہاتما رامانند جی رہا کرتے تھے۔ ان کے پاس ایک برہمن آیا کرتا تھا۔ اس برہمن

کی ایک خوبصورت سی لڑکی تھی۔ بیچاری کی جوانی ہی میں اُس کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا۔

ایک دفعہ وہ برہمن، سوامی رامانند جی سے ملنے آیا تو اپنی بیٹی کو بھی ساتھ لیتا آیا۔ بیٹی نے سوامی جی کو دونوں ہاتھ جوڑ کر بڑے ادب سے پرنام کیا۔ سوامی جی نے اُسے دُعا دی: "بھگوان تجھے چاند سا بیٹا دے۔" یہ سن کر برہمن بہت گھبرایا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ سوامی جی بھگوان کے بھگت ہیں۔ اور ان کا کہا پورا ہو کر رہے گا برہمن نے کہا: "سوامی جی، میری لڑکی تو بیوہ ہے، بیٹا کہاں سے ہوگا؟" سوامی جی نے کہا: "بھگوان کے لیے بیٹا دینا کیا مشکل ہے، اس کی قدرت کون جانتا ہے؟"

آخر ہی سوامی جی کی دعا پوری ہوئی اور ایک سال بعد ۱۳۹۸ء میں اس برہمن کی بیٹی کو ایک لڑکا پیدا ہوا۔ وہ بیچاری بہت گھبرائی اور بدنامی کے ڈر سے اس نے ننھے سے بچے کو رات کے وقت "لہرا" تالاب کے کنارے ڈال دیا۔

سویرے اُدھر سے ایک مسلمان جولاہا، نیرو اور اس کی بیوی نیمہ بنارس سے باہر کسی گاؤں کو جا رہے تھے۔ اُن

کے کوئی اولاد نہ تھی۔ راستہ میں تالاب کے کنارے انھیں کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز دکھائی دی۔ پاس جاکر کھول کر دیکھا تو ایک ننّھا سا بچّہ انگوٹھا چوس رہا تھا۔ جولاہے نے جب اُس بچّے کو دیکھا تو اس کو بڑا ترس آیا اور اپنی بیوی سے بولا، "دیکھ، خدا نے اپنی قدرت سے ہمیں جیتا جاگتا بیٹا دیا ہے، کیوں نہ اسے گھر لے چلیں؟" اس کی بیوی نے بچّہ کو فوراً گود میں اٹھا لیا اور اسے گھر لے گئے۔

جولاہے کی بیوی نے گھر پہونچتے ہی اپنے محلّہ کے قاضی جی کو بُلوایا۔ قاضی جی آئے تو نیمہ نے بچّے کا نام فال کے ذریعہ نکالنے کو کہا۔ قاضی جی نے فال کی کتاب کھولی اور بچّہ کا نام دیکھا تو "کبیر" نکلا۔

میاں بیوی نے اُس بچّے کو بڑی محبّت سے پالا پوسا۔ اس بچّے کے اندر شروع ہی سے سچّے مہاتما کی سب باتیں موجود تھیں۔

کسے معلوم تھا کہ ایک جولاہے کے گھر میں پرورش پانے والا بچّہ بڑا ہو کر ایسا مشہور مہاتما ہوگا اور ساری دُنیا کو سچائی اور نیکی کا راستہ بتائے گا۔

کبیرؔ جب بڑے ہوئے تو دُنیا میں پھیلی ہوئی برائیوں کو دیکھ کر اُنھیں بڑا دُکھ ہوا اور اُن کے دِل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اِن بڑھتی ہوئی برائیوں کو کسی نہ کسی طرح روکا جائے۔ جیسے جیسے وہ بڑے ہوتے گئے اُن کی یہ خواہش بڑھتی ہی گئی، اور انھوں نے دنیا کے دھندے چھوڑ کر خدا سے لو لگا نی چاہی اور کسی ایسے آدمی کا ہاتھ پکڑنا چاہا جو اُن کو خدا سے مِلا دے۔

دیس دیس، جنگل جنگل پھرے، مگر دِل کی بے چینی نہ گئی۔
اب کبیرؔ ایک گُرو کی کھوج میں لگ گئے۔ ان ہی دِنوں کاشی میں بھگت سوامی رامانندؔ جی رہتے تھے۔ اُن کی بڑی شہرت تھی، کبیرؔ نے سوچا، چلو اس ہندو سوامی کے پاس ہی چلیں۔ کیوں کہ ہندوؤں کا بھگوان اور مسلمان کا اللہ دونوں ایک ہی ہیں، فقط لفظ بدلے ہوئے ہیں۔ ہندو پرماتما اور مسلمان اللہ کہہ کر پکارتا ہے، جس اللہ کو مسلمان ڈھونڈتے ہیں اسی کو ہندو تلاش کرتے ہیں۔ پھر جی میں کہنے لگے، ایسا نہ ہو کہ سوامیؔ جی مجھے مسلمان سمجھ کر اپنا چیلہ نہ بنائیں۔ مگر سوامیؔ جی کی سچائی سے کبیرؔ کا دِل اُن کی طرف کھنچنے لگا تھا۔ وہ سوامیؔ جی سے ملے، لیکن سوامیؔ

جی انھیں اپنا چیلہ بنانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

کبیرؔ نے سوآمی جی کو راضی کرنے کی ایک ترکیب نکالی۔ سوآمی رامانند جی ہر روز صبح چار بجے اَشنان کے لیے گنگا جایا کرتے تھے۔ ایک روز کبیرؔ اُن کے آنے سے پہلے ہی سوآمی جی کے راستے میں کاشی گھاٹ کی سیڑھیوں پر لیٹ گئے۔ جب سوآمی جی گنگا اشنان کو آئے تو ابھی اندھیرا تھا۔ وہ کبیرؔ کو نہ دیکھ سکے اور سیڑھی پر جو پَیر رکھا تو کبیرؔ پر پڑا۔ سوآمی جی کو بہت دُکھ ہوا۔ مُنھ سے "رام، رام" کہتے ہوتے انھوں نے کبیرؔ کو اُٹھایا تو کبیرؔ نے کہا: "آپ کے پَیرو نے آپ کے پَیر چھو لیے۔" سوآمی جی نے پوچھا: "تم پیرو کب سے بنے؟" کبیرؔ نے کہا: "ابھی آپ نے "رام، رام" کا منتر دیا ہے۔"

سوآمی جی نے کبیرؔ کا سچّا پیار دیکھا تو اپنا چیلہ بنالیا۔ اب کبیرؔ، رام بھگت کا پرچار کرنے لگے۔ کچھ دِن بعد وہ دیس دیس پھرتے پھراتے جب شیخ تقّی سے مِلے تو اُن کے بھی مُرید ہو گئے۔ اس طرح انھوں نے مسلمان مرشد اور ہندو گُرو سے تعلیم حاصل کی۔

کبیر داس کی شادی کا بھی عجیب قصّہ ہے۔ ان کی طرح
اُن کی بیوی کی پرورش بھی دوسروں نے کی۔ کبیر کی بیوی کے
ماں باپ بہت غریب تھے اور اکثر فاقے سے گذارتے۔
جب اُن کے لڑکی پیدا ہوئی تو اپنی غریبی کی وجہ سے اس
کو ایک گرم کپڑے میں لپیٹ دیا اور ایک لکڑی کے صندوق
میں رکھ کر دریا میں بہا دیا۔ یہ صندوق ایک سادھو کے ہاتھ
لگا۔ اُس نے کھول کر دیکھا تو اس میں ایک ننّھی سی لڑکی تھی۔
سادھو نے اُس کا نام لوئی رکھا اور اسے بڑی محنت سے پالا۔
لیکن لوئی کے بچپن ہی میں وہ سادھو انتقال کر گئے۔

لوئی اکثر سادھوؤں اور درویشوں کی خدمت کرتی تھی۔
ایک مرتبہ کبیر بھی اس کے گاؤں سے گذر رہے تھے۔ اتفاق
سے لوئی کے گھر بھی گئے۔ اُس نے سب کے ساتھ انھیں
بھی دُودھ اور مٹھائی پیش کی۔ لیکن کبیر نے کچھ نہیں کھایا۔
لوئی نے پوچھا: "تم کھاتے کیوں نہیں؟" کبیر نے کہا:
"تھوڑی دیر میں ایک بزرگ تھکے ہارے، بھوکے پیاسے
آنے والے ہیں۔ میں نے یہ دُودھ اور مٹھائی ان ہی کے لیے
رکھ چھوڑی ہے۔" لوئی کو یقین نہ آیا۔ لیکن کچھ دیر بعد کیا

دیکھتی ہیں کہ ایک بزرگ تھکے ہارے وہاں آئے، کبیرؔ نے اُن کو وہ دُودھ اور مٹھائی پیش کردی۔

لوئی کو مہاتما کبیرؔ کی یہ سچّائی اور ایثار کو دیکھ کر حیرت ہوئی اور اُسی دِن انھوں نے کبیرؔ کی زندگی بھر کا ساتھی بننے کا فیصلہ کرلیا اور اُن سے شادی کرلی۔ وہ زندگی بھر اُن کی سیوا کرتی رہیں۔ اُن کے دو بچّے بھی ہوئے۔ لڑکے کا نام کمالؔ تھا اور لڑکی کا نام کمالیؔ۔

اِس دُنیا میں رہتے ہوئے بھی کبیرؔ نیک زندگی گذارتے تھے۔ خدا کی یاد کے ساتھ ساتھ وہ وقت نکال کر کپڑا بُنتے اور بازار جاکر خود اس کو فروخت کرتے۔ جو کچھ مِلتا اُس سے اپنی بیوی اور بچّوں کا پیٹ پالتے اور سادھوؤں اور فقیروں کی خدمت بھی کرتے تھے۔ اُنھوں نے آخری وقت تک جولاہے کا پیشہ نہیں چھوڑا۔ کبیرؔ داس کہتے تھے کہ کوئی بھی مذہب دوسروں سے بَیر رکھنا نہیں سِکھاتا۔ اس لیے وہ ہندو اور مسلمان دونوں سے یکساں محبت کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ سب لوگ آپس میں گھل مِل کر رہیں۔ لیکن اس وقت کے پنڈتوں اور مولویوں کو کبیرؔ کی یہ بات پسند نہ آتی

تھی۔ جیسے جیسے کبیرؔ مشہور ہوتے گئے، ویسے ویسے وہ لوگ اُن سے جلنے لگے۔ آخرکار انھوں نے اُس وقت کے بادشاہ سکندرؔ لودھی کو کبیرؔ کے خلاف بھڑکایا۔ اور اُن پر رعایا کو بہکانے کا اِلزام لگایا گیا۔ بادشاہ نے کبیرؔ کو بُلایا اور شاہی آداب کے ساتھ سلام کرنے کے لیے کہا۔ کبیرؔ نے جواب میں کہا: "میں سوائے خدا کے کسی اور کے سامنے اپنا سَر نہیں جُھکاتا" اس جواب سے بادشاہ کو بہت غصّہ آیا اور اُس نے قاضی سے کہا کہ انھیں زنجیروں سے باندھ کر دریا میں پھینک دیا جائے۔ ہزاروں لوگ یہ درد ناک منظر دیکھنے کے لیے دریا کے کنارے جمع تھے۔

کبیرؔ جانتے تھے کہ وہ بے قصور اور بے گُناہ ہیں۔ اُنھیں خدا پر پورا بھروسہ تھا کہ اُنہیں بچالے گا۔ جب انھیں زنجیروں سے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں پھینکا گیا تو سب نے یہ سمجھ لیا کہ وہ ڈوب کر مر جائیں گے۔ لیکن لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب کچھ دیر بعد انھوں نے دیکھا کہ جن زنجیروں میں کبیرؔ کو باندھا

گیا تھا، وہ غائب ہیں اور وہ تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

بادشاہ، کبیرؔ کے اس طرح بچ جانے سے اور بھی غصہ ہوا۔ اور انھیں آگ میں پھنکوانے کا فیصلہ کیا۔ انھیں دہکتی ہوئی آگ میں پھینکا گیا۔ لیکن کچھ دیر بعد وہ آگ خود بخود ٹھنڈی ہوگئی اور وہ ہنستے ہوئے باہر آگئے۔ اُن کے جسم کا ایک بال تک بھی نہ جلا تھا۔

اب کے تو بادشاہ نے اُنھیں ایک مَست ہاتھی کے سامنے ڈال دینے کا حُکم دیا۔ مَست ہاتھی اُنھیں کچلنے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن وہ بھی اُن کی صورت دیکھ کر خاموش کھڑا ہوگیا اور جب انھوں نے اس کی سونڈ پر ہاتھ پھیرا تو وہ رام ہوکر بیٹھ گیا پھر کچھ دیر بعد جنگل کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

آخر بادشاہ نے تنگ آکر انھیں کاشی سے باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ کاشی سے مگھر چلے گئے۔ یہ مقام آمی ندی کے کنارے ضلع گورکھپور میں واقع ہے۔ کبیرؔ آخری وقت تک وہیں رہے۔

مہاتما کبیر ساری عمر ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں محبّت سے رہنے کی تعلیم دیتے رہے۔

جب کبیر ۱۵۱۸ ؁ء میں ۱۲۰ سال کی عمر میں مَرے تو ہندو اور مسلمانوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ مسلمان کہتے تھے کہ وہ شیخ تقّی کے مُرید تھے اور مسلمان کے گھر میں پلے اور بڑھے۔ ہندو کہتے تھے کہ وہ سوامی رامانند جی کے چیلے تھے اور مرتے دم تک گرُو کی خدمت کرتے رہے۔ مسلمان دفنانا چاہتے تھے اور ہندو جلا دینا۔ یہی کھینچا تانی ہو رہی تھی کہ اُن پر سے کپڑا ہٹا، اور اُس کپڑے کے نیچے مُردہ جسم کی بجائے پھُولوں کا ڈھیر تھا۔

پھُولوں کو آپس میں تقسیم کر لیا گیا۔

ہندوؤں نے مٹھ بنایا اور مسلمانوں نے قبر۔

آج بھی قبر پر مجاور رہتے ہیں اور مٹھ پر سنیاسی:۔

یہ دونوں باتیں ہندو، مُسلِم اِتحاد، محبّت اور بھائی چارگی کی ایک اَنمٹ مثال ہیں۔ جو رہتی دُنیا تک قائم رہے گی،

مہاتما کبیر کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد دُنیا میں

مذہب اور ذات پات کے جھگڑوں کو ختم کرنا تھا اور وہ اس سخت مرحلے میں کامیاب رہے۔ ایسی ہی چند شخصیتوں کی محنت اور تعلیم کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے دیش میں کئی مذہب اور ذات پات کے لوگ جھگڑوں کو مٹا کر آپس میں مل جُل کر رہنے بسنے لگے ہیں۔

مہاپربھو چیتنیہ

مہاپربھو چیتنیہ کا اصلی نام وسوآمبر تھا۔ لوگ اُنھیں پیار سے "گورنگا" بھی پکارتے تھے۔ وہ ضلع بنگال کے ایک مقام نادیہ میں فروری ۱۴۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ چیتنیہ جی پورے چاند گرہن کی رات کو پیدا ہوئے تھے جو بڑے آدمی بننے کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔

اُن کے والد جگن ناتھ مصرا اونچی ذات کے برہمن تھے۔ وہ نوادیپ کے رہنے والے نہ تھے بلکہ مقدس گنگا کے قریب رہنے کے لیے سہلٹ سے یہاں چلے آئے تھے۔ چیتنیہ جی کی والدہ ساچی دیوی ایک مشہور برہمن نیلامبر چکرورتی کی لڑکی تھیں جو نوادیپ کے مشہور پنڈت

تھے۔ یہ شہر اُن دنوں مذہبی تعلیم کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔
چیتنیہ جی جگن ناتھ مصرا کے دسویں اور سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ اُن سے بڑے آٹھ بھائی بہن بچپن ہی میں اِنتقال کر گئے تھے۔ اور اُن کے ایک بڑے بھائی وِسواروپا بچپن میں سنیاسی بن گئے اور گھر چھوڑ کر چلے گئے اور پھر کبھی واپس نہ آئے۔
چیتنیہ جی بچپن میں بہت شریر تھے اور اکثر اپنے ماں باپ کو تنگ کیا کرتے تھے۔ لیکن اُن کے ماں باپ اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ زیادہ لاڈو پیار کی وجہ سے چیتنیہ جی بُری عادتوں میں پڑ گئے تھے۔
انھیں سدھارنے کے لیے گاؤں کے ایک چھوٹے سے مدرسے میں شریک کرایا گیا۔ وہ آٹھ سال کی عُمر تک اس چھوٹے سے مدرسے میں پڑھتے رہے۔ پھر اس کے بعد اُنھیں سنسکرت کے بڑے مدرسے میں شریک کرایا گیا۔ جہاں پنڈت گنگا داس سے وہ سنسکرت پڑھتے تھے۔ اب وہ پڑھنے لکھنے میں بہت دِل چسپی لینے لگے۔ اور کہتے ہیں کہ دس سال کی عمر میں تو انھوں نے

سنسکرت زبان نہ صرف اچھی طرح سیکھ لی بلکہ اس کے پنڈت بھی بن گئے۔

ابھی وہ پندرہ سال ہی کے تھے کہ اُن کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اب چیتنیہ جی ہی اپنی والدہ کا سہارا تھے۔

پنڈت گنگا داس کے پاس تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ پنڈت سروا بھوما کے مدرسے میں شریک ہوگئے۔ آگے چل کر یہی استاد خود چیتنیہ کے پیرو بن گئے۔

ابھی وہ تعلیم ہی پا رہے تھے کہ ان کی شادی ولبھاچاریہ کی لڑکی لکشمی سے کردی گئی۔ شادی کے ایک سال بعد خود انھوں نے ایک مدرسہ کھولا۔ اور تھوڑے ہی دِنوں میں بہت سے شاگرد جمع ہوگئے۔

شادی کے دو سال بعد وہ چند روز کے لیے مشرقی بنگال گئے۔ جب واپس آئے تو اُن کی بیوی کا انتقال ہوچکا تھا۔ انھوں نے بعد میں نوادیپ کے مشہور پنڈت سناتن مصرا کی بیٹی وشنو پریا سے دوسری شادی کی۔ اُن کی یہ بیوی بہت نیک تھیں۔ جو بعد میں اپنے شوہر کی پیرو بن گئیں۔

جب چیتنیہ جی بیس سال کے ہو گئے تو بدھ مذہب کے ماننے والوں کے مقدس مقام "گیا" گئے جو وشنو کے بھگتوں کا بھی تیرتھ تھا۔ جہاں پتھر پر وشنو جی کے پاؤں کے نشان ہیں۔ اسی وجہ سے اُس کو "وشنو پد" کہتے ہیں۔

"وشنو پد" کے درشن کے بعد چیتنیہ جی بالکل ہی بدل گئے۔ اور ہمیشہ اسی خیال میں رہنے لگے۔ اس واقعہ کے بعد سے وہ بھگوان کرشنا کے درشن کے لیے بے چین رہنے لگے۔

گیا میں چیتنیہ جی کی ملاقات ایشور پوری سے ہوئی جو بچپن میں ان کے استاد رہ چکے تھے اور بڑے ہی نیک آدمی تھے۔ چیتنیہ جی نے اُن کو اپنا گرُو بنا لیا۔ اس کے بعد سے تو وہ بھگوان کرشنا کے درشن کے لیے پہلے سے زیادہ بے چین رہنے لگے اور اب ان کا کام رات دن صرف بھگوان کرشنا کی پوجا کرنا تھا۔ وہ ہر وقت بھگوان کرشنا کی یاد میں کھوئے رہنے لگے۔

دوستوں نے چیتنیہ جی کی یہ حالت دیکھی تو اُن کو نوادیپ واپس لے آئے تاکہ وہ اپنے مدرسے کا کام

پھر سے شروع کریں اور اس طرح ان کا جی دُنیا کے
کاموں میں لگ جائے لیکن اب ان کے لیے مدرسے کا
کام کرنا مشکل تھا۔ کیوں کہ اب وہ رات دِن بھگوان
کرشنا اور اُن کی گوپیوں کے خیال میں مگن رہتے اور
برندابن کے خوبصورت جنگل اور دریا اُن کی آنکھوں کے
سامنے گھومتے رہتے۔ یہاں تک کہ انھیں اپنے جسم کی بھی
سُدھ بدُھ نہ رہتی تھی۔

اُن کی والدہ یہ سب کچھ دیکھ کر بہت پریشان ہوئیں
کیوں کہ اُن کی زندگی کا بس یہی تو ایک سہارا تھا۔ ماں
نے پاگل سمجھ کر چیتنیہ جی کو ویدوں کو دِکھایا۔ لیکن وہ
کوئی علاج نہ کر سکے۔

رفتہ رفتہ چیتنیہ جی کی بھگوان سے لگن اتنی بڑھ گئی
کہ وہ بادلوں میں بھی بھگوان ہی کو دیکھنے لگے اور اب تو
وہ دُنیا والوں کو بالکل بھول چکے تھے۔ یہاں تک کہ وہ
اپنی ماں سے بھی بات نہ کرتے اور ہمیشہ "او کرشنا،
او کرشنا" چلاّتے اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر
دوڑتے۔ انھوں نے ہر قسم کا آرام چھوڑ دیا۔ نرم بستر کے

بجائے سخت زمین پر سونے لگے۔ زیور اور ریشمی کپڑے
سب نکال کر پھینک دئے۔ نہ تو وہ نہاتے اور نہ ہی برابر
کھاتے، اور اب تو انھوں نے دیوی دیوتاؤں کی پوجا
بھی چھوڑ دی۔ اور شاستر پڑھنا بھی چھوڑ دیا۔ ان کا کام
بس ہمیشہ رونا اور چلّانا تھا۔

آخرکار چیتنیہ جی کی محنت کا پھل انھیں ملنے لگا اور
ایک سے زیادہ مرتبہ انھوں نے خواب میں بھگوان کرشنا
کو دیکھا۔ اس درشن کے بعد انھوں نے بھگوان کرشنا
کی شان میں بھجن گانا اور خوشی میں ناچنا شروع کر دیا۔

وہ اکثر اپنے دوست سری واسا کے مکان کے آنگن
میں رات رات بھر دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور آنکھیں
آسمان کی طرف لگائے گاتے اور ناچتے رہتے اور بار
بار "ہری بول، بول، بول" چلّاتے۔ اس بھجن میں اور
لوگ بھی ساتھ رہتے تھے۔ وہ بھگوان کرشنا کی محبت میں اتنے
کھو گئے تھے کہ لوگ ان کو بھگوان کرشنا کا اوتار سمجھنے لگے۔

اکثر وہ خود کو بھگوان کرشنا کی رادھا سمجھ کر ناچتے گاتے
اور ناچتے ناچتے زمین پر گر جاتے اور بڑی دیر تک بے ہوش

سے رہتے اور اسی بے ہوشی کی حالت میں بھگوان کرشنا
اُن کو اپنے درشن دیا کرتے اور کبھی کبھی اس طرح ناچتے
ناچتے کرشنا اور ہری ہری چلاّتے ہوئے بھاگ
کھڑے ہوتے۔

جب وہ بھگوان کرشنا کے خیال میں کھو جاتے تو خود
کو بھی بھول جاتے۔

ایک مرتبہ وہ اپنے ایک مالدار ساتھی سری واسا
کے پوجا کے کمرے میں گئے اور مورتیاں رکھنے کی جگہ بیٹھ
گئے اور چلاّنے لگے " وہ آگیا! وہ آگیا!" اور کہنے
لگے " اشنان کراؤ" اُن کو اشنان کرایا گیا اور اچھے
کپڑے پہنائے گئے اور پھر اُن کی پوجا کی گئی۔ وہاں جو
بھی موجود تھے چیتنیہ جی کے قدموں میں گر گئے اور
جس نے جو مانگا اُس کی خواہش پوری کر دی گئی۔ کئی
گھنٹوں تک اُن کی یہی حالت رہی، اور پھر وہ گہری نیند
سو گئے۔ جب وہ جاگے تو بالکل خاموش تھے اور اُنھیں
کچھ یاد نہ تھا کہ سونے سے پہلے کیا ہوا۔

اس واقعہ کے بعد سے اُن کے پیروؤں کی تعداد

بڑھنے لگی اور دُور دُور سے لوگ ان کے پیرو بننے کے لیے آنے لگے اور ان کے چیلے راستوں اور گلیوں میں ہر جگہ " ہری نام " گانے لگے

چیتنیہ جی کی یہ شہرت دیکھ کر گاؤں کے دوسرے پنڈت اُن سے جلنے لگے اور ان کے دشمن بن گئے۔

ایک مرتبہ اُسی گاؤں کے ایک مالدار گھرانے کے لڑکوں کو نیک بنانے کے لیے چیتنیہ جی نے اپنے ایک چیلے نیتانندہ کو بھیجا۔ اُن آوارہ لڑکوں نے نندا پر پتھر برسانا شروع کیا اور ایک پتھر اُن کے سر پر لگا اور خون بہنے لگا۔ اس کے باوجود وہ ان شرابیوں کو " ہری رام " گانے کے لیے کہتے رہے۔ اتنے میں چیتنیہ جی وہاں آگئے اور انھوں نے اُن شرابی بھائیوں سے کہا: "نیتانندا کی بجائے مجھے پتھر کیوں نہیں مارتے۔

بس جوُں ہی اُن لڑکوں کی نظر چیتنیہ جی پر پڑی اُن کا سارا نشہ دور ہوگیا اور انھوں نے چیتنیہ جی کے قدموں پر گر کر معافی چاہی اور ان کے پیرو بن کر پھر زندگی بھر نیک کام کرتے رہے۔

ایک مرتبہ جب چیتنیہ جی ایک مشہور رِشی ، کیشوا بھارتی سے ملنے گئے جو اُن کے گاؤں سے کچھ ہی فاصلہ پر رہتے تھے، تو اُن سے ملتے ہی چیتنیہ جی نے سنیاسی بننے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ وہ وہیں سنیاسی بن گئے. اپنے بال کٹوا دئے اور پیلے رنگ کے کپڑے پہن لیے۔ اسی نے اُن کا نام "کرشنا چیتنیہ" رکھا۔ اس وقت اُن کی عمر صرف ۲۴ سال تھی۔ سنیاسی بننے کے بعد ایک دن چپکے سے برندابن کے لیے چل پڑے۔

اُن کے اس طرح اچانک غائب ہو جانے سے اُن کے پیروؤں کو بڑا دُکھ ہوا۔ کیوں کہ وہ اُن کو بھگوان کرشنا سمجھنے لگے تھے۔

چیتنیہ جی نوادیپ سے چل کر شانتی پور پہنچے جہاں ان کا ایک پیرو آودتیہ چاری رہتا تھا۔ جب اُن کے شانتی پور پہنچنے کی خبر اُن کی ماں اور دوسرے چیلوں کو ملی تو اُن سے ملنے کے لیے سب وہاں آگئے۔ اُن کی ماں نے انھیں بہت سمجھایا اور خوشامد کی کہ وہ سنیاسی نہ بنیں اور گھر واپس چلیں۔ جب وہ نہ مانے تو ماں بھی اپنا

سر منڈواکر اُن کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئیں۔ ماں کی یہ حالت دیکھ کر انھوں نے سنیاسی بننے کا ارادہ چھوڑ دیا اور ماں کے کہنے پر نوادیپ کی بجائے اڑیسہ کے ایک مقام پوری میں رہنے پر راضی ہو گئے۔ اور اپنے چیلوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

جیسے ہی وہ پوری کے قریب پہنچے، جگن ناتھ کا مندر دیکھ کر خوشی سے ناچنے لگے اور جب مندر کے اندر داخل ہوئے تو جگن ناتھ کی مورتی سے لپٹ گئے۔ اور بے ہوش ہو گئے۔ مندر کے پجاری نے انھیں پاگل سمجھ کر مورتی سے ہٹانا چاہا، لیکن وہ مورتی سے چمٹے رہے۔ آخر تنگ آکر پجاری اُن کو مارنے کے لیے آگے بڑھا لیکن ایک شخص نے اُسے روک دیا۔ یہ شخص چیتنیہ جی کے بچپن کے استاد سروابھوما ہی تھے جواب اڑیسہ کے راجا پرتاپ رُودرا کے خاص پنڈت بن گئے تھے وہ چیتنیہ جی کو اسی بے ہوشی کے عالم میں اپنے گھر لے گئے۔

جب وہ پوری طرح ہوش میں آئے تو سروابھوما نے چیتنیہ جی کو سمجھایا کہ بھگوان سے محبت اس طرح نہیں کی جاتی۔

اس پر دونوں میں بہت دیر تک بحث ہوتی رہی اور آخر میں چیتنیہ جی نے شاستروں سے ثابت کر دیا کہ وہ صیح راستے پر ہیں. ان کے استاد سروا بھوما نے نہ صرف چیتنیہ جی کی بات مان لی بلکہ اُن کے پیرو بن گئے۔

اس کے بعد ہی راجا پرتاپ دیو بھی چیتنیہ جی کا چیلہ بن گیا اور پھر سارے اڑیسہ اور بنگال میں اُن کا چرچا ہونے لگا اور ہر جگہ لوگ انھیں کرشن کا اوتار سمجھنے لگے.

پوری میں کئی مہینے گذارنے کے بعد چیتنیہ جی نے دھرم کے پرچار کے لیے سارے دیش کا دورہ شروع کیا.

وہ وجیا نگر گئے تو وہاں کے راجا کرشنا دیو رائے کا ایک منتری رامانند رائے اُن کا چیلہ بن گیا راجمندری سے بجواڑہ گئے. یہاں کے مندروں کی یاترا کی اور پھر کرپہ اور ارکاٹ سے ہوتے ہوئے کانجی ورم آئے. ترچناپلی کے قریب سری رنگم میں چار مہینے گذارے اور پھر وہاں سے چیتنیہ جی مندروں کے شہر " مدورا" گئے اور یہاں کا پرانا مندر رامیشورم دیکھا، مدورا سے وہ ٹناّلی گئے اور پھر تریوندرم آئے. ٹراونکور، مالابار

سے ہوتے ہوئے وہ میسّور آئے۔ جہاں انھوں نے
وہ مشہور سرنگری مٹھ دیکھا جو شنکر آچاریہ نے قائم کیا
تھا۔ کولہاپور سے ہوتے ہوئے وہ واپس پوری آگئے۔
جہاں بھی چیتنیہ جی جاتے لوگ "کرشنا ہری" چلّا اُٹھتے
اور ان کو دیکھتے ہی ان کے پیرو بن جاتے۔
اُن کی اس شہرت کو دیکھ کر دوسرے مذہب کے
لوگوں نے انھیں نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ ایک مرتبہ
ایک بڑا پنڈت اپنے چند چیلوں کے ساتھ مہاپربھو چیتنیہ
جی کے پاس آیا۔ وہ مذہب پر بحث کر کے اُن کو نیچا
دکھانا چاہتا تھا، لیکن وہ ہار گیا۔ اس نے بدلہ لینے کے
لیے ایک تھالی میں گندے چاول دیتے ہوئے کہا کہ یہ
وشنو کے مندر سے لائے گئے ہیں۔ لیکن بھگوان کرشنا کی
کرنی ایسی ہوئی کہ، چیتنیہ جی ابھی اُن چاولوں کو کھانے
بھی نہ پائے تھے۔ ایک بڑا پرندہ اس تھالی کو لے اڑا
اور پھر وہ تھالی اُس پنڈت کے سر پر آ لگی جس سے وہ
بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کے چیلوں نے اپنے پنڈت
کی اس شرارت پر چیتنیہ جی سے معافی چاہی تو

انھوں نے معاف کر دیا۔

اس کے بعد مہا پربھو چیتنیہ جی نے اپنے پیروؤں کے ساتھ بھجن گانا شروع کیا۔ جوں ہی بھجن کی آواز اس بے ہوش پنڈت کے کان میں پڑی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سب کے ساتھ بھجن میں شریک ہو گیا۔

پوری سے دور رہنے کے باوجود چیتنیہ جی کی شہرت اور عزت بڑھتی ہی گئی۔ چنانچہ اڑیسہ کا راجا پرتاپ بھی ان کے درشن کے لیے بے چین تھا۔ آخر راجا نے بہت دن انتظار کرنے کے بعد خود جگن ناتھ کے مندر میں جاکر مہا پربھو چیتنیہ کے درشن کیے اور اُن کا چیلہ بن گیا۔

پوری واپس آنے کے دو سال بعد چیتنیہ جی اپنے بہت سے چیلوں کے ساتھ برندابن کے لیے روانہ ہوئے۔ راجا نے اُن کے آرام اور حفاظت کی خاطر بہت سے سپاہی ان کے ساتھ روانہ کیے اور حکم دیا کہ چیتنیہ جی جس دریا یا ندی کو پار کریں وہاں ایک یادگار بنائی جائے تاکہ بعد میں وہ ایک تیرتھ بن جائے۔

راستے میں چیتنیہ جی، شانتی پور میں بھی ٹھہرے تاکہ

اپنی ماں سے مل کر برندآبن جانے کی اجازت حاصل کریں۔
ماں نے انھیں خوشی سے اجازت دے دی اور روانہ
ہو گئے۔ وہ بنارس سے ہوتے ہوئے متھرا پہنچے۔ متھرا میں
انھوں نے چوبیس گھاٹوں پر اشنان کیا۔

جب وہ برندآبن کے قریب پہنچے تو جیسے ہی اُن کی
نظر گوردھن کی پہاڑی پر پڑی وہ بے ہوش ہو کر
گر پڑے۔

انھیں برندآبن اتنا زیادہ پسند آیا کہ وہ کسی طرح وہاں
سے جانے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے پیروؤں نے چیتنیہ جی
کو وہاں سے پریاگ لے جانے کی بہت کوشش کی لیکن
چیتنیہ جی کو برندآبن سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ اُسے
چھوڑنے کے خیال سے ہی وہ بے ہوش ہو گئے۔ مگر پیروؤں
نے بھی نہ مانا اور اُن کو اُسی بے ہوشی کی حالت میں
اٹھا لے گئے۔

راستے میں آرام کرنے کے لیے وہ ایک درخت کے
نیچے ٹھہر گئے۔ سامنے ہی کچھ گائیں چر رہی تھیں اور اُن کا
رکھوالا بانسری بجا رہا تھا۔ جیسے ہی چیتنیہ جی کے کانوں میں

بانسری کی آواز آئی انھیں بھگوان کرشنا کی یاد آگئی اور
وہ پھر بے ہوش ہو گئے۔ اُن کی خراب حالت دیکھ کر سارے
پیَرو یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ کچھ ہی دیر میں مرجائیں گے۔ اتنے میں
اُدھر سے پٹھانوں کا ایک فوجی دستہ گذر رہا تھا۔ ان لوگوں
نے یہ خیال کیا کہ یہ سب آدمی چیتنیہ جی کو زہر دے کر مار
ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اِسی شبہ پر ان لوگوں نے
چیتنیہ جی کے سارے پیَروؤں کو ڈاکو سمجھ کر گرفتار کرلیا۔
کچھ ہی دیر بعد چیتنیہ جی اٹھ کھڑے ہوئے اور ہری کا نام لے کر
ناچنے لگے۔ پٹھان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انھیں یقین ہو گیا
کہ چیتنیہ جی ایک بڑے مہاتما ہیں۔ چنانچہ پٹھانوں نے سارے
چیلوں کو رہا کر دیا اور اُن سب سے معافی چاہی۔

مہاپربھو چیتنیہ جی، برنداَبن سے پریاگ آئے اور یہاں
کئی دن کمبھ کے میلے میں گزارے۔ اور پھر پوری آکر زندگی
کے باقی دن پورے کیے۔

ان کی موت کے بارے میں کئی باتیں مشہور ہیں۔ بعض
تو یہ کہتے ہیں کہ وہ جگن ناتھ کے مندر میں بھگوان کرشنا کی
مورتی میں غائب ہو گئے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کے پاؤں میں

ایک زخم ہوا تھا جس کی وجہ سے انھیں مسلسل بخار آنے لگا اور اُسی بخار میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ان باتوں کے علاوہ یہ بھی مشہور ہے کہ ہمیشہ کی طرح وہ ایک وقت بھگوان کرشنا کی محبّت میں بے ہوش ہو گئے اور اسی حالت میں سمندر میں گر کر مر گئے۔

گو چیتنیہ جی، بنگال کے رہنے والے نہ تھے لیکن اپنی نیک زندگی اور بھگوان سے محبّت کی وجہ سے وہ ہندوستان کے ہر علاقے میں آج بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ دوسرے معنی میں وہ اپنے وقت کے بھگوان سری کرشنا تھے۔

پوری میں اُن کے نام کا ایک مندر ہے جہاں لاکھوں آدمی درشن کے لیے دُور دُور سے آتے ہیں۔

خواجہ قطب الدّین بختیار کاکیؒ

خواجہ قطب الدّین بختیار کاکیؒ بغداد کے ایک گاؤں اَوش میں پیدا ہوئے۔ وہ پیدائش سے ہی اللہ والے تھے۔ بچپن سے ہی اُن کی زبان سے جو بھی نکلتا، پورا ہو جاتا تھا۔ اُن کی والدہ بڑی نیک تھیں اور دِن رات نماز و عبادات میں مصروف رہتیں۔ وہ جب بھی قرآن شریف پڑھتیں تو بختیار کاکیؒ کو اپنے پاس بٹھا لیتی تھیں۔

بختیار کاکیؒ ابھی صرف ڈھائی برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے اپنی نگرانی میں پرورش کی۔

جب بختیار کاکیؒ چار برس کے ہوئے تو ان کی والدہ نے پڑھنے کے لیے اُن کو خواجہ معین الدّین چشتی اجمیریؒ

کے پاس بھیجا۔ جو اس زمانے میں اوش ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب خواجہ اجمیریؒ نے ان کو پڑھانا شروع کیا تو غیب سے آواز آئی:

"اے خواجہ! کچھ دیر ٹھہر جاؤ، قاضی حمید الدین ناگوری آتے ہیں، وہی بختیار کاکیؒ کو پڑھائیں گے۔"

کچھ ہی دیر بعد خدا کے حکم سے قاضی حمید الدین ناگوری وہاں پہونچ گئے۔ اور بختیار کاکیؒ سے پوچھا کہ کیا پڑھو گے؟ اس پر بختیار کاکیؒ نے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھ کر سنائی اور اسی کو تختی پر لکھنے کے لیے استاد سے کہا۔ وہ بختیار کاکیؒ کی زبان سے قرآن شریف کی آیت سن کر حیران رہ گئے کہ چار سال کی چھوٹی سی عمر کا بچہ کس طرح قرآن کی آیت پڑھ کر سنا سکتا ہے۔ چنانچہ استاد نے پوچھا: "تمہیں یہ کیسے معلوم اور تم نے قرآن شریف کس سے پڑھا؟" آپ نے کہا کہ میری والدہ کو آدھا قرآن شریف یاد ہے اور ان سے سنتے سنتے مجھے بھی یاد ہو گیا۔ یہ جان کر استاد نے صرف چار دن میں ان کو باقی آدھا قرآن بھی یاد کروا دیا۔

جب بختیار کاکیؒ پانچ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ نے اپنے نوکر کے ساتھ انھیں محلّہ کے مدرسہ کو بھیجا. راستے میں ایک بزُرگ ملے. انھوں نے نوکر سے پوچھا: "اس بچّے کو کہاں لیے جا رہے ہو؟" نوکر نے کہا کہ محلّے کے استاد کے پاس لے جا رہا ہوں. تب اس بزرگ نے کہا کہ اس بچّے کو مدرسہ لے جانے کی بجائے مولانا ابا حفصؒ کے پاس لے جاؤ، وہی اس بچّے کو پڑھائیں گے. تب وہ بزرگ خود بختیار کاکیؒ کو مولانا ابا حفصؒ کے پاس لے گئے۔

کہتے ہیں کہ یہ بزرگ حضرت خضر علیہ السّلام تھے جو بھٹکے ہوئے لوگوں کو صحیح راستہ دکھلاتے ہیں۔

چودہ سال کی عمر تک بختیار کاکیؒ اپنے ہی گاؤں میں رہے۔ ایک دن جب خواجہ اجمیری سیر کرتے ہوئے دوبارہ اس گاؤں میں پہنچے تو بختیار کاکیؒ ان کے مرید ہو گئے اور خواجہ صاحب کے ساتھ مکّہ اور مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے. سفر میں اُن کی ملاقات ایک اور بزرگ سے ہوئی جو دنیا چھوڑ کر ایک غار میں رہتے تھے اور رات دن عبادت کیا

کرتے تھے۔ انھوں نے بختیار کاکیؒ کو نصیحت کی: "دنیا کی چیزوں کی خواہش نہ کرنا، مال دولت جمع نہ کرنا، جو کچھ ملے، اُسے خدا کی راہ میں خرچ کر دینا اور اللہ کی عبادت کے سوا دوسرے فضول کاموں میں وقت نہ گنوانا۔"

مدینہ سے بختیار کاکیؒ اپنے مرشد کے ساتھ بغداد آئے اور یہاں رہ کر مرشد کے ساتھ ساتھ عبادت کے علاوہ لوگوں کو نیک کام کرنے کی ہدایت کرنے لگے۔

بختیار کاکیؒ کو بچپن ہی سے خدا سے بے حد محبت تھی۔ بڑے ہونے کے بعد تو وہ بالکل اللہ ہی کے ہو گئے اکثر نماز پڑھتے رہتے اور اسی عبادت کے شوق میں بیس برس تک کبھی اطمینان سے نہیں سوئے۔

جب اُن کی شادی ہو گئی تو تین چار روز تک وہ رات کو عبادت کرنا بھول گئے۔ تیسری رات ایک بزرگ خواب میں اُن سے کہا: "تین دن سے تم خدا کو بھول بیٹھے ہو۔" بختیار کاکیؒ فوراً جاگے اور رونے لگے۔ صبح ہوئی تو بیوی کا مہر دے کر ان سے الگ ہو گئے۔ اس کے بعد تو ان کی یہ حالت ہو گئی کہ کمرے کا

دروازہ بند کیے گھنٹوں خدا کی عبادت میں بیٹھے رہتے اور آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔

بختیار کاکیؒ کو دنیا کی چیزوں کی بالکل پرواہ نہ تھی۔ اللہ کی محبت کے سامنے اُن کو کھانے پینے، روپیہ پیسہ بیوی بچے، کسی کی فکر نہ تھی۔ کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے۔ بس اتنا کھاتے تھے کہ عبادت کے لیے قوت باقی رہے۔ وہ لوگوں سے چھپ کر عبادت کرتے تھے۔

اگرچہ شہر کے لوگ اور بادشاہ ہر وقت بختیار کاکیؒ کے پاس روپیہ پیسہ بھیجتے لیکن وہ سب فقیروں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔

بختیار کاکیؒ نے چند سال بعد دوسری شادی کی۔ اُن کا پڑوسی ایک بقال تھا۔ جب کبھی گھر میں کچھ نہ ہوتا تو بختیار کاکیؒ کی بیوی اس بقال کے پاس سے کھانے پینے کا سامان قرض پر لاتی تھیں اور جب پیسہ آجاتا تو اس کا قرض ادا کر دیتی تھیں۔ ایک دن بقال کی بیوی نے کہا کہ اگر میں تمہیں قرض نہ دوں تو تمہارے بال بچوں کا پیٹ

پیسے بھرے ؟ جب بختیارؒ کاکیؒ کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے
اپنی بیوی سے کہا کہ قرض لینے کی ضرورت نہیں۔ اور ایک
طاق کی طرف اشارہ کرکے کہا جب بھی ضرورت ہو اس
طاق میں سے "کاک" (روٹیاں) لے لیا کرو۔ اس کے بعد
سے جب بھی ضرورت ہوتی ان کی بیوی اُس طاق سے گرم گرم
روٹیاں لے لیا کرتیں۔ اسی وجہ سے خواجہ قطب الدین بختیارؒ
"کاکی" کہلانے لگے۔

جب آپ کو اپنے مرشد خواجہ اجمیریؒ کے ہندوستان
پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ بھی ہندوستان آ گئے۔ چند روز ملتان
میں ٹھہر کر پھر دہلی آ گئے۔ دہلی کا بادشاہ شمس الدین التمش
اُن کی بہت عزت کرتا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ بختیار کاکیؒ
دہلی آنے والے ہیں تو وہ خود شہر سے باہر جا کر ان سے
ملا اور بڑی عزت سے پیش آیا۔ وہ بختیار کاکی سے ہفتے
میں دو بار اُن کے گھر جا کر ملتا تھا۔

دہلی پہونچ کر آپ نے اپنے مرشد کو خط لکھا اور اجمیر آنے
کی اجازت چاہی لیکن مرشد نے انھیں دہلی ہی میں رہنے کا مشورہ
دیا تاکہ وہ وہاں لوگوں کی خدمت کر سکیں۔ البتہ بختیار کاکیؒ اپنے

مرشد سے ملنے کے لیے دو تین مرتبہ اجمیر گئے۔

ایک مرتبہ کسی کام سے خواجہ اجمیریؒ دہلی آئے تو انھوں نے بختیار کاکیؒ کو اپنے ساتھ اجمیر لے جانا چاہا۔ یہ خبر سُن کر سارے شہر کے لوگ اور بادشاہ خود بھی خواجہ اجمیریؒ کے پاس آئے اور اُن سے درخواست کی کہ بختیار کاکیؒ کو اجمیر نہ لے جائیں۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو بختیار کاکیؒ سے کہا: "بابا قطب! تم دہلی ہی میں رہو، تمہارے دہلی چھوڑنے سے یہ سب لوگ رنجیدہ ہو جائیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ تم ان کے دلوں کو دکھاؤ۔"

بختیار کاکیؒ نے اپنے مرشد کی بات مان لی اور دہلی میں رہنے لگے۔ اب اُن کے گھر پر مرید بہت زیادہ تعداد میں جمع ہونے لگے۔ جس سے ان کی عبادت میں ہرج ہونے لگا۔ وہ چاہتے تھے کہ شہر سے باہر چلے جائیں، لیکن مرشد نے اجازت نہیں دی. اس لیے دہلی ہی میں رہ کر لوگوں کی خدمت کرنے لگے۔

ایک مرتبہ شاہی دربان نے کچھ روپے بختیار کاکیؒ کو دینے چاہے تو انھوں نے کہا: "مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ کسی ایسے آدمی کو دو جس کو ضرورت ہو" لیکن وہ نہ مانا اور ضد کرنے

لگا تو بختیار کاکیؒ نے اسے نزدیک بُلایا اور جس چٹائی پر وہ بیٹھے تھے اس کا ایک کونہ الٹ کر اس سے کہا: "دیکھو یہ کیا ہے؟" اُس نے دیکھا تو سونے کا ایک دریا بہہ رہا تھا۔ پھر آپ نے غصّہ سے کہا: "جس کے گھر سونے کا دریا بہتا ہو، اُسے تمہارے پیسے کی کیا ضرورت ہے؟"

بختیار کاکیؒ کی برسوں کی عبادت اور خدا سے محبّت کی وجہ سے اُن کی زبان میں ایسا اثر پیدا ہوگیا تھا کہ وہ جو بات کہتے، خدا کے حکم سے پوری ہو جاتی۔

ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت کے لڑکے کو بغیر کسی قصور کے پھانسی دے دی گئی تھی۔ وہ روتی پیٹتی بختیار کاکیؒ کے پاس آئی اور رو رو کر سارا حال سنایا۔ یہ سُن کر بختیار کاکیؒ اس لڑکے کی لاش کے پاس گئے اور کہا: "اے لڑکے، اگر تو بے قصور ہے تو خدا کے حکم سے زندہ ہو جا۔" وہ لڑکا فوراً زندہ ہوگیا۔

بختیار کاکیؒ اکثر قوالی سنا کرتے تھے۔ کیوں کہ قوالی میں خدا اور اُس کے رسولؐ کا ذکر ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ جب کہ وہ تین روز سے لگاتار قوالی سُن رہے تھے، خدا کا نام سُن کر وہ

بار بار بے ہوش ہوتے رہے اور آخرکار تیسرے دن اسی
بے ہوشی کی حالت میں اپنے خدا سے جا مِلے۔

اُن کا مزار مہرَولی کے مقام پر ہے جہاں دن رات
لوگوں کا ایک ہجُوم رہتا ہے اور لوگوں کی مرادیں پوری
ہوتی ہیں۔

بختیاؔر کاکیؒ نے جہاں اپنی زندگی میں خدا کے بندوں کی
خدمت کی اور بھلائی کے کام کیے، آج مرنے کے بعد بھی لوگ
اُن سے اِسی طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔

حضرت بختیاؔر کاکیؒ کی پاک زندگی اور خدا سے محبّت
ہمارے لیے ایک سبق ہے۔ ان کی اِن ہی خوبیوں کی وجہ سے
مرنے کے بعد بھی ان کا نام زندہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

سنت تُکارام

مہاراشٹر کے مشہور سنت تُکارام ۱۵۹۸ء میں پونا شہر کے قریب ایک گاؤں دیہو میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام بول ہوبا تھا اور ماں کا نام گنگا بائی۔

تُکارام کے ماں باپ بھگوان وِٹھل کو مانتے تھے۔ وہ بھگتوں کی سیوا کرتے اور ہر ایک سے محبّت کا برتاؤ کرتے تھے۔ دونوں میاں بیوی بھگوان کی پوجا میں اکثر وقت گزارا کرتے تھے۔ اس کا اثر ننھے تُکارام پر بھی پڑا۔ کیوں کہ جب دوسرے بچّے کھیلتے ہوتے تو تکارام، بھگوان وٹھل اور رکھو مائی کی مٹّی کی مورتیاں بناکر پوجا کرتے تھے اور سارے دوستوں کو جمع کرکے اُن مورتیوں کے سامنے بیٹھ کر بھجن گایا کرتے، اور بعد میں پرساد بانٹتے تھے۔

سادھوؤں اور سنیاسیوں کی سیوا کرنا بھی بچپن ہی سے پسند تھا۔ ماں باپ اُن کی یہ باتیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

تکارام کو بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ استاد اُن کا یہ شوق دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور کہتے: "تکارام بڑا ہوکر پنڈت بنے گا۔"

بارہ سال کی عمر ہی میں اُن کی شادی کردی گئی۔ اُن کی بیوی رکھوما ئی بہت سیدھی سادی اور نیک دِل عورت تھیں۔ لیکن بدقسمتی سے شادی کے دو سال بعد ہی اُن کو دمّہ کی بیماری ہوگئی۔ اس بیماری کا علاج آسان نہ تھا۔ جب تکارام کے ماں باپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے تُکارام کی دوسری شادی کردی۔ اُن کی دوسری بیوی جی جائی شوہر کو بہت چاہتی تھیں لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ تیز مزاج کی تھیں اور غریب تکارام ہمیشہ اُن کا غصّہ برداشت کرتے تھے۔

تُکارام جی کے دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ ان کے بڑے بھائی ساوا جی گھر کا کوئی کام نہ کرتے تھے۔ اسی

بلے بوڑھے ماں باپ اور چھوٹے بھائی بہن کی دیکھ بھال ننھے تکارام کرنے لگے اور وہ گھر بار کا بوجھ سنبھالنے کے لیے تیرہ سال کی عمر میں ہی والد کے ساتھ تجارت میں ہاتھ بٹانے لگے۔

چار برس کے بعد اُن کے ماں اور باپ دونوں کا انتقال ہوگیا۔ ماں باپ کے مَرنے کے کچھ ہی دِنوں بعد اُن کے بڑے بھائی کی بیوی بھی انتقال کر گیئں۔ جس کی وجہ سے ان کے بچوں کی دیکھ بھال بھی تکارآم ہی کو کرنی پڑی۔ اس وقت تکارآم کی عمُر صرف سَترہ سال تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں یہ ساری ذمہ داریاں اُن کے سر پر پڑیں لیکن وہ گھبرائے نہیں بلکہ ہمّت سے ہر مصیبت کا مقابلہ کیا۔

تکارآم بچپن ہی سے بہت ایماندار اور سیدھے سادے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد بھی وہ بہت ایمانداری سے کاروبار کرتے رہے۔ لیکن ان کی سادگی اور ایمانداری سے اُن کے دوستوں اور گاہکوں نے بے جا فائدہ اٹھایا۔ جس کی وجہ سے کاروبار میں بھاری

نقصان ہوا اور ماں باپ کی چھوڑی ہوئی دولت بھی جاتی رہی۔

اپنے خاندان کا پیٹ پالنے کے لیے جب کوئی اور ذریعہ نہ رہا تو انھوں نے اناج کی ایک چھوٹی سی دوکان کھول لی۔ لیکن انھیں دوکان کے کاروبار سے کوئی دِل چسپی نہ ہوئی۔ کیوں کہ وہ ہمیشہ بھگوان وٹھل کے دھیان میں کھوئے رہتے۔ آخرکار تھوڑے ہی دنوں میں دوکان کا کاروبار بھی ختم ہوگیا اور رہے سہے جانور بھی مر گئے۔

اب تکا رام نے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جاکر سامان بیچنے کا کاروبار شروع کیا۔ ایک مرتبہ وہ مرچ خرید کر بیچنے کے لیے دوسرے گاؤں جارہے تھے۔ اُن کے بھولے پن سے فائدہ اٹھاکر راستے میں لوگوں نے انھیں لوٹ لیا۔ جب وہ خالی ہاتھ گھر لوٹے تو ان کی بیوی بہت غصہ ہوئیں اور اپنے باپ کے گھر سے دو سو روپے منگواکر دئے تاکہ تکا رام پھر سے کاروبار شروع کریں۔

تکا رام نے ان دو سو روپوں کا نمک خریدا اور ڈھائی سو میں بیچ دیا۔ مگر واپسی میں ان کی ملاقات ایک غریب برہمن سے

ہوئی اور جب اس برہمن نے اپنی دکھ بھری کہانی سنائی تو تکارام جی کو اس پر ترس آگیا اور انھوں نے سارے روپے اُس غریب برہمن کو دے دیئے۔

اس زمانے میں مہاراشٹر میں بہت بڑا قحط پڑا تھا اور اُس قحط میں اُن کی بیوی بھی بھوکوں مر گئی۔ ان سارے دکھوں اور مصیبتوں کو دیکھ کر تکارام جی کو دنیا سے نفرت سی ہو گئی۔

اس کے بعد وہ گھنٹوں بھیم ناتھ کی پہاڑی پر بھگوان وٹھل کے مندر میں جا بیٹھتے۔ اور بھگوان سے دھیان لگانے لگے۔ ان کی بیوی جی جائی ہر روز ان کے لیے پہاڑی پر کھانا لے جایا کرتیں اور خوشامد کر کے کھلایا کرتی تھیں۔ اب چونکہ تکارام کو گھر سے کوئی سروکار نہ تھا، اس لیے اُن کی بیوی کو ہی گھر کے سارے کام کرنے پڑتے۔ وہ آخر کہاں تک اکیلے ہی سب کچھ کرتیں۔ آخر ایک دِن تنگ آکر کسی طرح تکارام جی کو گھر واپس لا ہی لیا۔

گھر واپس آنے کے بعد تکارام جی نے اپنے باپ کی جائداد کے سارے کاغذات بے کار سمجھ کر اندرآینی ندی میں

پھینک دینا چاہا۔ لیکن اُن کے چھوٹے بھائی کانھوؔبانے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا، "بھائی، تم تو سنیاسی بن چکے ہو، لیکن میرے بال بچّے ہیں، اگر ان کا غذات کو ندی میں پھینک دو گے تو مجھے بھیک مانگنا پڑے گا اور میرے بچے بھوکے رہیں گے۔"

تکارامؔ کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اُنھوں نے بھائی کے حصّے کے آدھے کاغذات اُن کو دیدیئے اور اپنے حصّے کے کاغذات ندی میں پھینک دیئے، اور اب پوری طرح بھگوان کے دھیان میں لگ گئے۔

صبح ہوتے ہی وہ بھگوان وٹھل کے مندر میں چلے جاتے۔ دن بھر پوجا کرتے۔ گیا نیشوریؔ گیتا اور ناتھ بھگوتؔ پڑھتے اور شام میں گھر لوٹتے۔ پھر رات میں بھجن گانے کے لیے چلے جاتے۔ رات بھر بھجن گاتے اور رات کے آخری حصے میں کچھ دیر کے لیے سو جاتے۔

کہتے ہیں کہ ایک رات خواب میں مہاپربھو چیتنیہؔ جی نے تکارامؔ جی کو درشن دیئے اور جَپنے کے لیے "رام کرشن ہری" کا گُرو منتر دیا۔ اس کے بعد سے تکارامؔ جی رات دن وہی جَپنے لگے۔ اس منتر کے جَپنے سے انھیں بہت شانتی ملتی تھی اور کچھ

ہی دنوں میں ان کو خواب میں بھگوان وٹھل اور نامَ دیو درشن دینے لگے۔

ایک رات بھگوان وٹھل نے اُن سے خواب میں کہا کہ:
"تم نے جس سچائی کو حاصل کیا ہے، اس کو بے کار نہ جانے دو۔ ہماری کرپا تم پر ہمیشہ رہے گی۔ اب تم ابھنگا (بھجن) لکھنا شروع کر دو" اُسی وقت سے تکارام نے اپنی مادری زبان مرہٹی میں بھجن لکھنا شروع کر دیا۔

تکارآم جی کے دِل میں بچپن ہی سے دوسروں کے لیے ہمدردی تھی، اور دوسروں کی سیوا کرنا اپنا دھرم سمجھتے تھے۔ راستے سے کسی آدمی کو بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہوئے دیکھتے تو اس کی تکلیف کے خیال سے وہ بوجھ خود اٹھا لیا کرتے۔

بارش میں کسی شخص کو بھیگا ہوا دیکھتے تو گھر لے آتے اور اس کو اپنے پاس سے کپڑے دیتے۔

اگر کسی یاتری کے لمبے سفر کی وجہ سے پیر پھول جاتے تو تکارآم جی اس کے پاؤں دابتے اور گرم پانی سے سینکتے اور کبھی کوئی یاتری بیمار پڑ جاتا تو وہ نہ صرف اس کی دیکھ بھال کرتے بلکہ خود بیمار یاتری کے ساتھ اس کے گھر

تک جاتے۔

تکارام جی بھوکے پیاسے جانوروں کو چارہ کھلاتے اور پانی پلاتے تھے۔ بوڑھے لوگوں کا بازار سے سودا سلف لادیا کرتے تھے۔ اس طرح ان کا پورا دن لوگوں کی خدمت میں گزرتا اور ساری رات بھگوان کی پوجا میں کٹتی تھی۔

تکارام جی خود اپنے لیے کچھ نہ رکھتے بلکہ جو کچھ اپنے پاس ہوتا دوسروں کو دے دیتے۔ اب تو وہ اتنے غریب ہو چکے تھے کہ ان کی بیوی کے پاس پہننے کے لیے صرف دو ساڑیاں رہ گئی تھیں۔

ایک دن تکارام جی اپنے گھر کے باہر بھجن گانے بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک غریب ہریجن عورت پھٹے پرانے کپڑوں میں بھیک مانگتی ہوئی آئی۔ تکارام جی کو اس کی حالت پر رحم آگیا اور انھوں نے فوراً اپنی بیوی کی ایک ساڑی اس غریب عورت کو دے دی۔ اس طرح انھوں نے ہمیشہ اپنی ضرورت کے مقابلہ میں دوسروں کی ضرورت کا خیال کیا۔

تکارام جی ہر ایک کو نیکی کا راستہ بتلاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک خوبصورت عورت تکارام جی کے پاس آئی اور

انھیں دھرم کے راستے سے ہٹانا چاہا لیکن تکارام جی کی نیک باتیں سُن کر اس عورت نے اپنی گزری ہوئی زندگی سے توبہ کرلی اور ان کی پیرو بن گئی۔

جیسے جیسے ان کی پاک زندگی اور نیک کاموں کا چرچا ہونے لگا، چند پنڈت اُن سے جلنے لگے۔

چنانچہ تکارام جی کے گاؤں میں ایک پنڈت ممباجی رہتا تھا۔ یہ پنڈت تکارام جی سے بہت جلتا تھا لیکن تکارام جی کو یہ معلوم ہونے کے بعد بھی کبھی پنڈت کے مندر میں آنے کے لیے دیر ہو جاتی تو وہ بھجن شروع نہ کرتے بلکہ اُس کو بلانے کے لیے آدمی بھیجتے۔ تکارام جی کے اس اچھے برتاؤ کا اُس پنڈت پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے برخلاف اس پنڈت کے دل میں تکارام جی کے خلاف نفرت بڑھتی ہی گئی اور انھیں تکلیف دینے کے لیے وہ موقع کا انتظار کرنے لگے۔

اس پنڈت کے گھر میں ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ اس نے باغ کی حفاظت کے لیے اطراف کانٹوں کی باڑھ لگا رکھی تھی۔ ایک دن مندر میں بڑا بھجن تھا اور

بہت سے لوگ آ رہے تھے۔ تکا رام جی نے یہ سوچ کر کہ مندر آنے والوں کے پیروں میں کانٹے نہ چبھ جائیں، راستے سے کانٹے ہٹانے لگے۔ ممبا جی کو بس موقع کی تلاش تھی ہی، وہ بہانہ بنا کر کہ کوئی باغ کو نقصان پہنچانے آیا ہے، تکا رام جی پر ایک دم برس پڑا اور باڑھ سے ایک کانٹوں بھری لکڑی نکال کر اُن کو مارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ تکا رام جی بے ہوش ہو گئے۔ تکا رام جی نے خاموشی سے سب برداشت کر لیا۔ انھیں جب ہوش آیا تو وہاں سے ایک لفظ کہے بغیر گھر چلے آئے۔

شام میں مندر میں بھجن تھا۔ تکا رام جی تو وہاں وقت پر پہونچ گئے، لیکن جب دیکھا کہ ممبا جی نہیں آئے تو وہ خود انھیں لانے کے لیے اُن کے گھر گئے۔ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ممبا جی اچانک بیمار پڑ گئے اور بستر پر پڑے ہیں۔ تکا رام جی سیدھے ان کے بستر کے پاس گئے اور ان کے پیر داتے ہوئے کہنے لگے: "بے شک قصور میرا تھا۔ اگر میں تمہاری باڑھ کے کانٹے راستے سے دور نہ کرتا تو تمہیں غصہ کیوں آتا اور تم مجھے اس طرح نہ پیٹتے۔ مجھے دُکھ ہے کہ تمہارے ہاتھوں کو

تکلیف پہنچی۔" یہ کہتے ہوئے تکارام جی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ممباجی جیسا پتھر دل انسان' تکارام جی کے اس برتاؤ سے پانی پانی ہوگیا اور اپنا دکھ بھول کر ان کے ساتھ مندر میں بھجن کے لیے شریک ہوگیا۔

تکارام جی کے نیک برتاؤ کا ایک اور واقعہ مشہور ہے کہ انھوں نے کس طرح اپنے دشمن کی بھی بات مان لی۔

پُونا کے قریب راگھولی نام کے گاؤں میں ایک بڑا پنڈت رہا کرتا تھا۔ اس کا نام رامیشور بھٹ تھا۔ تکارام جی کی شہرت کی وجہ سے وہ اُن سے جلنے لگا تھا۔ ایک دن اُس نے تکارام جی کو اپنے گھر بلایا۔ تکارام جی چونکہ بہت سیدھے سادے آدمی تھے اور پنڈتوں کی بہت عزت کرتے تھے' پھر بھلا رامیشور بھٹ جیسے مشہور پنڈت کے پاس کیسے نہ جاتے' وہ فوراً وہاں پہنچے۔

رامیشور بھٹ' تکارام جی کو دیکھتے ہی غصّے میں کہنے لگا؛ تکّا ! تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تم ایک نیچی ذات میں پیدا ہوئے ہو' تمہیں ویدوں کے پرچار کرنے کا کیا حق ہے ؟

تم لوگوں کو ویدوں کا غلط سبق دے کر انھیں بھٹکا رہے ہو۔
بہتر ہوگا کہ تم آج ہی سے بھجن لکھنا چھوڑ دو۔"

پہلے تو تکارام جی نے خاموشی سے سر جھکایا اور پھر
دونوں ہاتھ جوڑ کر بڑے ادب سے کہا: "میں تو بھگوان
پانڈو رنگا وٹھل کے حکم سے بھجن لکھ رہا ہوں۔ اگر آپ
چاہتے ہیں کہ میں بھجن نہ لکھوں تو آج سے نہیں لکھوں گا۔ لیکن
مجھے یہ بتائیے کہ اب تک میں نے جو بھجن لکھے ہیں، ان کا
کیا کروں؟"

یہ سُن کر رامیشور بھٹ اور غصّہ میں آیا اور بولا "انھیں
اندرآینی ندی میں پھینک دو۔" تکارام جی دُکھی دِل کے
ساتھ گھر واپس آئے اور سارے بھجن ایک جگہ جمع کیے۔ اُن
کو ایک کپڑے میں باندھا اور اس کے ساتھ ایک بڑا سا
پتّھر باندھ کر ندی میں پھینک دیا تاکہ وہ ڈوب جائیں۔

تکارام جی گھر آکر سوچنے لگے کہ اگر بھگوان وٹھل نہیں
چاہتے کہ میں بھجن لکھوں اور انھیں گاؤں تو پھر میرا مر جانا
ہی بہتر ہے۔ چنانچہ انھوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور مندر
میں بیٹھ کر دن رات بھگوان وٹھل کا نام جپنے لگے۔ اس

طرح ابھی چودہ دِن گذرے تھے کہ ان کے ایک پیرو نے مندر میں آکر خبر دی کہ ان کے بھجنوں کی وہ گٹھری اُسے ندی پر تیرتی ہوئی نظر آئی۔ تکارآم جی اس چیلے کے ساتھ دوڑے دوڑے ندی پر پہنچے اور گٹھری کنارے سے آلگی۔ تکارآم جی نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اس کو اٹھالیا اور مندر واپس آگئے۔ جب رامیشور بھٹ کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ تکارآم جی کی سچائی کو مان گیا۔ اُن سے معافی مانگ لی اور ان کا پیرو بن گیا۔

رفتہ رفتہ تکارآم جی کی شہرت مہاراجہ شیوآجی کے کانوں تک پہنچ گئی۔ اور انھوں نے کچھ تحفے، ایک گھوڑا اور ایک پالکی بھیجی اور اپنے دربار میں بُلایا۔

تکارآم جی نے وہ ساری چیزیں شیوآجی مہاراج کو واپس کر دیں اور کہلا بھیجا کہ "مہاراج ! میں آپ کے پاس کیوں آؤں ؟ مجھے آپ سے کچھ مانگنا نہیں ہے اور نہ میرے پاس اتنا بے کار وقت ہے۔ اگر وہی وقت میں بھگوان کی پوجا میں گزاروں تو میرے من کو شانتی ملے گی۔ میری نظر میں سونا اور مٹی دونوں برابر ہیں۔ میں جس خدا کو چیونٹی میں

دیکھتا ہوں اسی خدا کو راجہ میں بھی دیکھتا ہوں۔ میری زندگی کا مقصد ہی خدا کی عبادت ہے۔ آپ ایک مہاراج ہیں۔ اپنی رعایا سے محبت کا برتاؤ کیجئے۔ غریب اور بے سہارا لوگوں کی مدد کیجئے۔ خدا پر بھروسہ رکھیئے اور بھگوان وِٹھوبا کی پوجا کرتے رہیئے۔ اگر آپ نے یہ سب کچھ کیا تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے مجھے بہت قیمتی تحفہ دیا۔"

تکارام جی کا یہ جواب پا کر شیوا جی مہاراج کے دِل میں ان کی عزت اور بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ وہ کبھی کبھی تکارام جی کا بھجن سننے کے لیے خود مندر آنے لگے۔

تکارام جی اب بوڑھے ہو چکے تھے۔ پھر بھی وہ اپنا سارا وقت خدا کی یاد کے ساتھ ساتھ لوگوں کی خدمت میں گزارتے تھے۔ بڑھاپے کی وجہ سے اب وہ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ اسی لیے ہر سال یاترا کے لیے پنڈھرپور بھی نہیں جا سکتے تھے۔

آخرکار ۱۶۵۰ء میں انھوں نے ایک دن اپنے سارے چیلوں کو جمع کیا اور سب کے ساتھ بھجن گانے لگے اور بھجن گاتے گاتے ہمیشہ کے لیے بھگوان سے جا ملے۔ مرتے وقت بھی ان کی زبان پر بھگوان ہی کا نام تھا۔

تکارام جی کو مرے ہوئے کئی سو سال گزر چکے ہیں لیکن ان کے لکھے ہوئے بھجن آج بھی ہندوستان میں گائے جاتے ہیں۔ خدا کی عبادت اور لوگوں کی خدمت یہ دونوں باتیں ان میں ایسی تھیں کہ مرنے کے بعد بھی وہ عزّت سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمارے دیش میں ایسے بڑے بڑے مہاتما گزرے ہیں، جن کی بتائی ہوئی باتوں پر چل کر ہم بھی زندگی کی سچی خوشی پا سکتے ہیں۔

سوامی ویویکانند

۱۲ جولائی ۱۸۶۳ء کو کلکتہ کے ایک مشہور وکیل شری وشوا ناتھ کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام نریندر رکھا اور یہی نریندر بڑے ہوکر سوامی ویویکانند کے نام سے مشہور ہوئے۔

سوامی ویویکانند کے والد بڑے نیک اور ہوشیار وکیل تھے، اسی لیے اُن کے پاس اپنے کاموں کے لیے سب ہی مذہب اور ذات کے اکثر لوگ آتے تھے۔ سب کے لیے الگ الگ حُقّے رکھے رہتے۔ برہمن آتے تو وہ اپنا حُقّہ پیتے اور مسلمان آتے تو اپنا حُقّہ استعمال کرتے تھے۔ ننھے سے نریندر اکثر سوچتے رہتے کہ آخر یہ حُقّے الگ الگ کیوں ہیں اور ان میں کیا فرق ہے؟ ایک

دِن وہ اپنے والد کے کمرے میں گئے تو وہاں سب ہی حُقّے تیار تھے، اور کمرے میں کوئی نہ تھا۔ انھوں نے سوچا کہ آج ان حُقّوں کا فرق معلوم کرنے کا اچھا موقع ہے۔ چنانچہ انھوں نے پہلے برہمنوں کا حُقّہ پیا اور پھر مسلمانوں کا حُقّہ پی کر دیکھا۔ دونوں میں کوئی فرق محسوس نہ ہوا۔ اتنے میں ان کا نوکر آگیا اسُ نے اِن کو مسلمانوں کا حُقّہ پیتے دیکھ کر کہا:
"ارے بابو، یہ کیا کر رہے ہو؟ بڑے بابو دیکھ لیں گے تو مار پڑے گی!" نریندر نے کہا: "میں تو صرف یہ دیکھ رہا تھا۔ اِس حُقّے کے مزے میں کیا فرق ہے!" نوکر نے کہا: "چلو بھاگو، ایسی شرارت نہیں کرتے!" یہ سن کر نریندر وہاں سے چلے تو گئے لیکن یہ بات وہ سمجھ نہ سکے کہ جب ایک ہی ذات کے دو آدمی ایک حقّہ پی سکتے ہیں تو الگ الگ دَھرم والے وہ حقہ کیوں نہیں پی سکتے۔ اتنی چھوٹی عمر ہی میں ہر انسان کو برابر سمجھنے والا یہ لڑکا آگے چل کر ایک مہاتما بن گیا۔

جب ویویکانند چھ برس کے ہوئے تو انھیں اسکول بھیجا گیا، لیکن اسکول میں ساتھی اچھے نہ تھے۔ یہ دیکھ کر اُن کے والد نے گھر پر ہی ان کی پڑھائی کا انتظام کر دیا

اور وہ بہت محنت اور شوق سے پڑھنے لگے۔ پڑھنے لکھنے کے ساتھ ساتھ کشتی، گھوڑے کی سواری اور تیرنے کا بھی شوق تھا۔ گانے سے بھی اُنھیں بہت دل چسپی تھی اور ان کی آواز بھی بہت سریلی تھی۔

پڑھائی میں بھی انھوں نے اپنی دل چسپی دکھائی، جو کچھ اُستاد سے ایک دفعہ سن لیتے کبھی نہ بھولتے۔ انھوں نے بہت چھوٹی عمر میں بی۔ اے کا امتحان پاس تو کرلیا لیکن اس کے ساتھ ہی دھرم کے بارے میں ان کے خیالات بھٹک گئے اور خدا پر بھی ان کو بھروسہ نہ رہا۔

کچھ روز تک انھیں ہر رات دو خواب دکھائی دیتے تھے۔ پہلے خواب میں تو وہ راجہ بنے ہوتے اور دوسرے خواب میں سنیاسی۔ اور پھر راجہ اور سنیاسی میں تکرار ہوتی۔ سوامی ویویکانند دیکھتے کہ اکثر سنیاسی کی جیت ہوتی۔

ایک دن ویویکانند اپنے ایک دوست کے گھر گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے وہاں ان کی ملاقات ایک رشی رام کرشنا پرماہنس سے ہوئی۔ سوامی رام کرشنا نے اُن

سے مل کر خوشی کا اظہار کیا اور ان سے گانے کی خواہش کی۔ وہ گاتے رہے تو، رام کرشنا آنکھیں بند کیے گانا سنتے رہے۔ انھیں ویویکانند کا گانا بہت پسند آیا رام کرشنا نے انھیں دکھشنیشور کے مندر آنے کے لیے کہا۔

کچھ دن بعد ویویکانند اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دکھشنیشور کے مندر گئے۔ رام کرشنا اُن سے بہت محبّت سے پیش آئے اور ان سے گانا سنانے کے لیے کہا۔ ویویکانند نے گانا شروع کیا۔ گانے کا رام کرشنا پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ گانا ختم ہونے کے بعد جب وہ ہوش میں آئے تو ویویکانند کو وَرانڈے میں لے گئے اور ان سے کہا: "میرے بچّے تم اتنے دِن تک کہاں چھُپے رہے؟" ویویکانند نے کچھ جواب نہ دیا، چُپ رہے۔ پھر دونوں ایک کمرے میں آ گئے اور بہت دیر تک خاموش ہی بیٹھے رہے۔ پھر کچھ دیر بعد، ویویکانند نے رام کرشنا سے پوچھا: "کیا آپ نے بھگوان کو دیکھا ہے؟"

رام کرشنا نے کہا: " ہاں، میں نے بھگوان کو اسی طرح دیکھا ہے، جیسے میں تم کو دیکھ رہا ہوں۔" ویویکانند پھر ملنے کا

وعدہ کر کے چلے آئے اور راستہ بھر دل میں سوچتے رہے کہ رام کرشنا بڑا آدمی تو ہے لیکن دیوانہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ اُس کے بعد بھی دیویکانند دو مرتبہ رام کرشنا سے ملنے گئے۔

ابھی ویویکانند اکیس سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ خاندان کافی بڑا تھا۔ بیوہ ماں اور بھائی بہن سب کی ذمہ داری انھیں پر تھی۔ انھوں نے اپنے دوستوں سے مدد لینی چاہی لیکن مُصیبت کے وقت کون کام آتا ہے ؟ کسی نے بھی اُن کی مدد نہ کی۔ ہر طرف سے مایوس ہوکر وہ نوکری تلاش کرنے لگے۔ ننگے سر دفتروں کے کئی چکر لگائے لیکن ہر جگہ مایوسی ہوئی۔

چند روز تک والد کی چھوڑی ہوئی پونجی سے جُوں تُوں کر کے سب کا پیٹ بھرتے رہے پھر اس کے بعد تو گھر میں فاقے شروع ہو گئے۔ دوکاندار بھی انھیں ادھار اناج نہ دیتے تھے۔ ان کی ماں اپنے کسی رشتہ دار سے قرض لے کر اپنے بچوں کا پیٹ پال رہی تھیں۔ اکثر دن میں صرف ایک مرتبہ کھانے کو ملتا تھا اور بھوکے رہنا تو روز کا معمول ہو گیا تھا۔

گھر کی یہ حالت دیکھ کر ویویکانند اکثر اپنی ماں سے کہتے

کہ کسی دوست کے گھر ان کی دعوت ہے اور اس طرح سارا دن
بھوکے رہتے تھے۔

اب تو ویویکانند کا خدا پر بالکل بھروسہ نہ رہا اور اب وہ
کھُلم کھُلا کہنے لگے، "بھگوان ہے ہی نہیں"۔ اُن کی یہ حالت دیکھکر
سب ان سے نا امید ہو چکے تھے۔ لیکن رام کرشنا کو یقین
تھا کہ ایک نہ ایک دِن وہ سیدھے راستہ پر لوٹ آئیں گے۔

ایک روز نوکری کی تلاش میں سارا شہر چھان مارنے
کے بعد ویویکانند بہت تھک گئے تھے۔ بھوکے تو تھے ہی،
اُس پر بارش نے ان کے سارے کپڑے بھگا دیئے۔ اسی
حالت میں سڑک کے ایک کنارے آرام لینے کے لیے ٹھہر گئے
اور مصیبتوں سے تنگ آکر وہ دنیا چھوڑ کر سنیاسی بن جانے
کے بارے میں سوچنے لگے۔ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اِس
طرح دنیا کی مصیبتوں سے بچ جائیں گے، سامنے سے رام کرشنا
آتے دکھائی دیئے۔ انھوں نے ویویکانند کو اس حالت میں
دیکھا تو اپنے ساتھ دکھشنیشور لے گئے، ان کو تسلّی دی اور
ایک بھجن گا کر سُنایا۔

رام کرشنا نے اُن کے دل کا حال جان لیا اور کہا؛

”پیارے بچّے، میں جانتا ہوں کہ تم اِس دنیا سے تنگ آ گئے ہو، لیکن میری خاطر تمہیں اِس دنیا میں اس وقت تک رہنا ہوگا، جب تک کہ میں زندہ ہوں۔“ ویویکا نَند نے رام کرشنا سے کہا: ”اگر بھگوان سنتا ہے تو آپ میرے بھائی بہن اور ماں کے لیے دعا کیوں نہیں کرتے تاکہ سب کی مصیبت دُور ہو۔“

رام کرشنا نے کہا: ”بھگوان تو سب کی سنتا ہے تم خود بھی دعا کر سکتے ہو۔“

ویویکا نَند نے اُن کی بات مان لی اور دُعا کے لیے کالی کے مندر گئے۔ جیسے ہی انھوں نے مندر میں قدم رکھا وہ اس دنیا ہی کو بھول گئے اور انھوں نے اپنی ماں اور بھائی بہن کے لیے دُعا کرنے کی بجائے کالی کے درشن کی دعا مانگی۔ وہ مندر سے واپس آئے تو ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔

جب رام کرشنا نے ان سے پوچھا کہ تم نے دنیا کی چیزوں کے واسطے دُعا کیوں نہیں مانگی تو وہ ویویکا نند نے کہا: ”میں نے ایسا محسوس کیا کہ بھگوان سے دنیا کی چیزوں کے لیے مانگنا

ایسا ہی ہے جیسے کسی بڑے بادشاہ سے سبزی ترکاری مانگنا۔"

اُس دِن سے ہی اُن کی ایک نئی زندگی شروع ہو گئی۔ وہ چھوٹے موٹے کام کر کے اپنا اور اپنی ماں اور بھائی بہنوں کا پیٹ تو پالنے لگے۔ لیکن زیادہ وقت بھگوان کی پوجا اور اپنے گرُو رام کرشنا کی سیوا میں گزارنے لگے اور گرو رام کرشنا کے انتقال تک انھیں کے پاس رہے۔

اپنے گرُو کے انتقال کے بعد وہ چھ سال کے لیے ہمالیہ کے جنگلوں میں چلے گئے۔ اِسی سنیاس کے زمانے میں وہ تبت گئے اور وہاں بدُھ مذہب کے پنڈتوں سے مل کر دھرم اور بھگوان کے بارے میں سب ہی باتیں معلوم کیں۔

ہمالیہ سے واپس آکر ویویکانند نے سارے ہندوستان کے سفر کا ارادہ کیا۔ تاکہ اپنے گرُو رام کرشنا کی نیک باتوں کو سارے ملک میں پھیلا سکیں۔

شمالی ہند کے دَورے میں جب کہ وہ سنیاسی کے کپڑے پہنے ریل میں سفر کر رہے تھے تو ایک ادھیڑ عمُر کا مالدار آدمی بھی ان کے ساتھ سفر کر رہا تھا، جو سنیاسیوں کو اچھا نہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ وہ ویویکانند کا مذاق اڑانے لگا اور کہنے لگا کہ سنیاسی

کوتو مرنا چاہیئے. مٹھائیاں اور عمدہ کھانے تو اُن کے لیے ہیں
جن کے پاس روپیہ پیسہ ہے اور چونکہ سنیاسی روپیہ کمانے
کی فکر نہیں کرتے اس لیے اُن کو بھوکا رہنا چاہیئے. ویویکانند
جی یہ سب خاموشی سے سنتے رہے۔

جب دوسرے اسٹیشن پر گاڑی رُکی تو کیا دیکھتے ہیں کہ
ایک شخص بڑی سی گٹھری، دری اور پانی کا لوٹا لیے ہوئے ڈبّے
میں آیا. وہ سیدھا سوآمی جی کے پاس گیا. ان کے سامنے دَری
بچھائی اور کھانے کی ساری چیزیں اس پر رکھدیں اور کھانے
کے لیے کہا. سوآمی جی حیران تھے. انھوں نے اس اجنبی سے
کہا: "بابا، میں تو تم کو نہیں جانتا، اور نہ ہی اس سے پہلے میں
نے تمہیں کہیں دیکھا ہے. شاید تمہیں پہچاننے میں غلطی ہوئی ہے"۔
اس شخص نے کہا کہ وہ ایک مٹھائی گر ہے. شہر میں اس کی بڑی
دوکان ہے، دوپہر میں وہ دوکان بند کر کے سو رہا تھا کہ اُس
نے خواب میں "سری رآما" کو دیکھا. سری رآما نے اس سے
کہا: "دیکھو، ہمارا ایک بھگت دو دن سے بھوکا ہے تم فوری
کچھ پکا کر اس کے لیے اسٹیشن لے جاؤ". لیکن میں نے یہ سمجھ کر
کہ یہ خواب ہے، پھر سو گیا، لیکن دوبارہ بھگوان سری رآما نے

مجھے جھنجھوڑا۔ میں نے فوری اٹھ کر روٹی پکائی اور دوکان سے کچھ مٹھائی لے کر یہاں آگیا اور آپ کے درشن کیے۔"

سوآمی جی نے اُس شخص کو دعائیں دیں اور کھانا کھا لیا۔ وہ امیر آدمی بھی یہ سب کچھ غور سے سُن رہا تھا۔ جب سارا قصّہ سُن چکا تو حیران رہ گیا کہ کیسے بھگوان اپنے سچّے بھگتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ فوراً سوآمی جی کے قدموں پر گر گیا اور ان سے معافی مانگی۔ سوآمی جی نے اُسے معاف کر دیا اور وہ شخص ان کا پیرو بن گیا۔

ویویکانند جی جب کھیتری گئے تو وہاں کا راجہ بھی اُن کی نیک باتیں سُن کر ان کا چیلہ بن گیا۔ وہ شمالی ہند کے سارے مقدّس مقامات پر گئے اور پھر جنوب میں تریوندرم گئے۔ جہاں بھی وہ جاتے ہزاروں لوگ ان کے درشن کے لیے آتے۔ تریوندرم سے وہ مدراس گئے۔ یہاں بہت سے لوگ ان کے پیرو بن گئے۔

مدراس میں اُنھیں پتہ چلا کہ امریکہ کے شہر شکاگو میں دنیا کے سارے مذہبوں کی ایک کانفرنس ہونے والی ہے۔ مدراس کے پیرو چاہتے تھے کہ وہ اس کانفرنس میں شریک ہوں اور

ساری دنیا والوں کو ہندو دھرم کی اچھی باتیں بتائیں. ان ہی لوگوں نے سفر کے لیے روپیہ دے کر سوامی جی کو امریکہ روانہ کیا.

وہ امریکہ تو پہنچ گئے لیکن وہاں خرچ کے لیے کچھ نہ بچا. ان کے لیے یہ ملک نیا تھا. وہاں وہ کسی کو جانتے بھی نہیں تھے. کسی سے قرض لینا بھی ناممکن تھا. وہ سادھوؤں کا لباس پہنے بوسٹن کے قریب ایک گاؤں سے گذر رہے تھے کہ ایک بوڑھی عورت نے ان سے امریکہ آنے کی وجہ پوچھی. انھوں نے اپنا مقصد بتایا تو وہ عورت اپنے ساتھ انھیں گھر لے گئی۔ اور وہاں اُن کی ملاقات ایک پروفیسر سے کرائی. وہ پروفیسر سوامی جی کی قابلیت دیکھ کر بہت حیران ہوا، اور وہ انھیں ڈاکٹر براؤن کے پاس لے گیا جو اس کانفرنس کے صدر تھے، جس میں شریک ہونے کے لیے سوامی جی امریکہ گئے تھے. کانفرنس میں ہندو مذہب کی طرف سے انھیں تقریر کرنے کا موقع دینے کے لیے وہ رضامند ہوگئے.

ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا. اسٹیج پر ایک طرف تو صدر بیٹھے تھے اور اُن کے دونوں بازو دنیا کے تمام مذہبوں کے پنڈت بیٹھے تھے. سارے امریکہ سے ہزاروں لوگ تقریریں سننے کے لیے جمع تھے. ایک کے بعد ایک، سارے پنڈتوں نے

اپنے اپنے مذہب کے بارے میں تقریریں کیں۔
پھر صدر نے سوامی جی کو بلایا۔ وہ جیسے ہی تقریر کرنے
کے لیے کھڑے ہوئے تو اُن کے کپڑوں اور صورت
شکل کو دیکھ کر پہلے تو لوگ حیران ہو گئے کہ یہ آدمی
کیا کہہ سکتا ہے ؟ لیکن جب سوامی جی نے ایک گھنٹہ
زیادہ تقریر کی تو وہاں کے لوگ دنگ رہ گئے اور اس
کے بعد ہی سارے امریکہ میں ویویکانند مشہور ہو گئے۔
امریکہ کے سارے اخباروں نے اُن کی تعریف کی
اور پھر انگلستان کے لوگوں نے اُنھیں وہاں آنے
کی دعوت دی۔ انگلستان میں تین مہینے گزارنے کے
بعد وہ ہندوستان واپس آکر سوامی جی اپنے گرو رام
کرشنا کے بتائے ہوئے بھلائی کے کاموں میں
پوری طرح مصروف ہو گئے۔ انسانوں کی خدمت ہی
ان کا کام تھا۔

۱۸۹۷ء میں جب قحط پڑا تو انھوں نے رات
دن کام کیا جس کی وجہ سے ان کی صحت گرنے
لگی۔ ڈاکٹروں نے انگلستان یا امریکہ جاکر آرام

کرنے کا مشورہ دیا۔ وہ دونوں جگہ گئے۔ وہاں
اُن کی صحت کچھ بہتر ہو گئی اور وہ ہندوستان
واپس آتے ہوئے پیرس میں مذہبوں کی کانگریس
میں شریک ہوئے۔ جہاں انھوں نے فرانسیسی زبان میں
ہندو مذہب پر ایک زبردست تقریر کی۔

ہندوستان واپس آکر چند روز تک وہ آرام کرتے رہے اور
جب بالکل اچھے ہو گئے تو پھر اُسی طرح کام کرنے لگے اور اپنی
رات دن کی محنت سے کلکتہ اور بنارس میں رام کرشنا سیوا آشرم
قائم کیا۔ ابھی کام ختم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ اچانک ۴ جولائی ۱۹۰۲ء
میں چالیس سال کی عمر میں بیلور مٹھ میں انتقال کر گئے۔

سوامی ویویکانند نہ صرف ایک سچے مہاتما تھے بلکہ ایک قابل
ہندوستانی بھی تھے، جن کی قابلیت آج تک دوسرے ملکوں میں
مشہور ہے۔ انھوں نے ہندوستان میں ہر مذہب اور ہر ذات
کے انسانوں کے لیے بھلائی کے کام کیے اور ان کی نظر میں ہر انسان
چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان سب برابر تھے۔ اور سب کو ایک
ہی بھگوان کے بھگت سمجھتے تھے۔

آروبندو گھوش

ہمارے دیش ہندوستان میں ہر زمانے میں اور ہر جگہ کوئی
نہ کوئی ایسے مہاتما پیدا ہوتے رہے جنھوں نے لوگوں کو نیکی
اور سچّائی کا راستہ بتلایا ہے۔ ایسے ہی مہاتماؤں میں سے ایک
آروبندو گھوش بھی ہیں، جنھیں لوگ "پانڈیچری" کے بزرگ کے
نام سے بھی جانتے ہیں۔ آروبندو گھوش اصل میں بنگال کے
رہنے والے تھے لیکن پانڈیچری میں آکر بس گئے اور آخر
وقت تک یہیں رہے۔

آروبندو گھوش کا جنم ۱۵ر اگست ۱۸۷۲ء کو کلکتہ میں ہوا۔
اُن کے والد کا نام ڈاکٹر کرشنا دھن گھوش تھا اور ماں کا نام
سورن لتا دیوی تھا۔ جب ان کی عمر پانچ سال کی ہو گئی تو
پڑھائی کے لیے اکیلے ہی ان کو شہر سے بہت دور ڈارجلنگ

بھیج دیا گیا، جہاں ایک مشہور انگریزی اسکول تھا۔ چھٹیوں میں گھوش اپنے نانا کے پاس دیوگڑھ جایا کرتے تھے۔

آروبندو جی کو اس انگریزی اسکول میں پڑھتے ہوئے دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ وہ پڑھائی کے لیے اپنے ماں باپ کے ساتھ انگلستان چلے گئے۔ وہاں وہ ایک پادری ڈریوٹ کے گھر پر رہنے لگے۔ کیوں کہ ان کے ماں باپ کچھ دنوں کے بعد ہی ہندوستان واپس آگئے تھے۔ آروبندو جی کو اس وقت تک اپنے مذہب کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ چنانچہ انگریز خاندان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ شاستروں کی بجائے عیسائیوں کی مقدس کتاب "انجیل" پڑھتے تھے۔ ڈریوٹ کی بیوی نے تو ان کو عیسائی بنانے کی کوشش بھی کی لیکن ڈریوٹ نے ایسا نہ ہونے دیا۔

آروبندو گھوش بچپن ہی سے بہت ہوشیار تھے۔ اسی لیے اسکول میں انھیں بہت جلد ترقی ملنے لگی۔ انھوں نے یہاں تھوڑے سے وقت میں فرانسیسی، جرمنی اور اطالوی زبانیں بھی سیکھ لیں اور چودہ سال کی عمر سے انگریزی زبان میں نظمیں لکھنا شروع کر دیا۔ وہ چودہ سال تک انگلستان میں رہے اور

اکیس سال کی چھوٹی سی عمر میں انڈین سیول سرویس کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کرکے ہندوستان واپس آگئے۔

سرکاری نوکری کرنا انھیں پسند نہ تھا۔ اسی لیے مہاراجہ بڑودہ کے پاس ریاست کے کام کی دیکھ بھال کے لیے نوکر ہوگئے۔ پھر اس کے بعد وہ بڑودہ کالج میں انگریزی کے پروفیسر بن گئے اور بہت جلد ترقی کرکے وائس پرنسپل ہوگئے۔ انھوں نے بڑودہ میں رہتے ہوئے بنگالی اور سنسکرت سیکھی، کیوں کہ ان کو انگریزی زبان کے سوا کسی دوسری زبان کا ایک لفظ بھی نہ آتا تھا۔ پھر اس کے بعد انھوں نے گیتا اور اپنشد کے ساتھ ساتھ رامائن، مہابھارت اور وید بھی پڑھے۔ نوکری کے سلسلے میں ان کو گجراتی اور مرہٹی بھی سیکھنی پڑی۔

آرو بندو گھوش کی زندگی شروع ہی سے بہت سادہ تھی۔ وہ معمولی کھانا کھاتے اور موٹا کپڑا پہنتے تھے۔ سونے کے لیے کبھی نرم بستر استعمال نہ کرتے تھے۔ انھیں امیروں کی جیسی زندگی سے سخت نفرت تھی۔ حالانکہ انھیں تنخواہ بہت ملتی تھی لیکن وہ اپنے لیے بہت کم خرچ کرتے اور سارا پیسہ بھائی بہنوں کے لیے بھیج دیتے تھے۔

جب وہ بڑودہ میں رہتے تھے تب ہی ان کی شادی بھوپال چندو کی لڑکی مرنالینی سے ہوئی لیکن مرنالینی دیوی بہت کم عرصہ اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکیں۔ کیوں کہ آروبندو گھوش اپنے دوسرے کاموں کی وجہ سے دنوں بلکہ مہینوں گھر نہ آسکتے تھے اور ان کی بیوی اکیلی ہونے کی وجہ سے آروبندو گھوش کی بہن سروجنی ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ آربندو گھوش کے پانڈیچری جانے کے بعد تو وہ ان سے بالکل ہی نہ مل سکیں کیوں کہ آروبندو جی دنیا کو بالکل چھوڑ کر اپنا سارا وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ پانڈیچری جانے کے آٹھ سال بعد صرف ایک مرتبہ انھوں نے بیوی کو ملنے کی اجازت دی لیکن جب وہ اُن سے ملنے کے لیے پانڈیچری آرہی تھیں تو کلکتہ میں بیمار پڑگئیں اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔

آروبندو گھوش کو بچپن ہی سے نیک کام بہت پسند تھے۔ لیکن انگلستان میں زیادہ دنوں تک رہنے کی وجہ سے ان کو اپنے مذہب کی اچھی اچھی باتیں معلوم نہ ہوسکیں۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد انھوں نے رام کرشنا پرماہنس اور سوامی وویکانند کی زند گی کے حالات پڑھے۔ جس کے بعد سے اپنے مذہب سے انھیں دلچسپی ہوگئی کہ چھ سال کے اندر ہی انھوں نے رامائن اور مہابھارت کا

انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔

اروبندو جی کو شروع ہی سے اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ اس لیے انھوں نے ایک ایسے گرو کی تلاش شروع کی جو انھیں خدا کو دیکھنے کا طریقہ بتلا سکے۔

ان دنوں نربدا ندی کے کنارے چنڈوڈ میں سری سدگرو برہمانند رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ گرو کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ لیکن جب اروبندو گھوش ان سے ملنے گئے تو نہ صرف انھوں نے اچھی طرح بات کی بلکہ دعا بھی دی۔ گو اروبندو جی کو گرو کی تلاش تھی، لیکن انھوں نے کسی کو اپنا گرُو نہیں بنایا بلکہ کئی سال تک اُپنشد، گیتا جیسی مقدّس کتابیں پڑھ کر ہی نیکی اور سچائی کا راستہ ڈھونڈھ نکالا اور ۳۲ سال کی عمر میں گھر بار اور نوکری چھوڑ کر خدا کی عبادت شروع کر دی اور گھنٹوں اسی کے دھیان میں گزارنے لگے۔

اسی طرح ابھی چار سال بھی نہ گزرے تھے کہ ایک واقعہ نے ان کی زندگی کو بالکل ہی بدل دیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ خدا کی یاد میں لگ گئے۔ ہوا یہ کہ ان دنوں ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش بہت زوروں پر تھی۔ جس میں اروبندو گھوش

کے چھوٹے بھائی راَبندو بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہے تھے۔ پولیس نے بھائی کے ساتھ آرو بندو گھوش کو بھی شُبہ میں گرفتار کرلیا۔ آخر میں آرو بندو گھوش کا کوئی قصور ثابت نہ ہوا اور انھیں عزّت کے ساتھ چھوڑ دیا گیا۔

جیل میں اُن کو اپنے ساتھ گیتاؔ اور اپنشد رکھنے کی اجازت تھی۔ وہاں وہ سارا وقت خدا سے دھیان لگائے بیٹھے رہتے یا پھر گیتاؔ پڑھتے تھے۔ اس طرح جیل میں چند روز گزارنے کے بعد ایک دن غیب سے انھیں ایک آواز سنائی دی" انتظار کرو اور دیکھو" اس آواز کو سننے کے بعد آرو بندو گھوش کو عبادت کا شوق اور بڑھ گیا۔

وہ دھن کے پکّے تھے اور بھگوان کے درشن پر تلے ہوئے تھے اور اس کے لیے ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ گوتم بُدھ کی طرح وہ سچّائی کو جاننا چاہتے تھے اور رام کرشنا پرماہنس کی طرح خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہر شخص خدا کے درشن کرسکتا ہے اگر اس کے دل میں سچّی لگن ہو۔" کیوں کہ خدا کی نظر میں سب برابر ہیں اور اس کا دروازہ سب کے لیے کھُلا ہے۔

جیل میں مسلسل عبادت کرتے تھے انھوں نے کئی مرتبہ

بھگوان کرشنا کے درشن کیے اور اسی طرح خواب میں لگاتار پندرہ دن تک سوامی وویکانند کی بھی آواز سنی۔

بھگوان کرشنا کے درشن کے بعد تو انھیں اپنے اطراف کی ہر چیز میں بھگوان ہی بھگوان نظر آنے لگا۔ جیل میں وہ اپنی کوٹھری سے باہر ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھتے تو ایسا محسوس کرتے کہ وہ درخت نہیں بلکہ بھگوان کرشنا کی نرم گود میں سو رہے ہیں۔

جیل میں پورا ایک سال گزارنے کے بعد جب وہ باہر آئے تو انھوں نے غیب سے ایک آواز سنی اور اسی آواز کے کہنے پر وہ کلکتہ سے پانڈیچری چلے گئے تاکہ اپنی زندگی کے باقی دن دنیا سے الگ تھلگ خدا کی عبادت میں گزار دیں۔

آروبندو گھوش کو پھر سے دنیا کے کاروبار میں لگانے کے لیے کئی مرتبہ کوشش کی گئی۔ لالہ لاجپت رائے نے ان کو لکھا۔ ان کے بھائی رابندرو نے خود جاکر انھیں بہت سمجھایا۔ گاندھی جی نے خاص طور پر انھیں وہاں سے واپس لانے کے لیے اپنے لڑکے دیوداس کو بھی بھیجا لیکن ان سب کی کوشش بے کار رہی کیوں کہ آروبندو گھوش تو اس وقت تک بھگوان کے پکے بھگت

بن چکے تھے۔ اب انھیں دنیا اور دنیا والوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔

پانڈیچری میں اب تو وہ بالکل اکیلے ہی رات دن خدا کو یاد کرتے تھے۔ عبادت میں ہرج ہونے کے خیال سے وہ کسی سے ملنا پسند نہ کرتے تھے۔ اس کے باوجود ان کے پیروؤں کی تعداد بڑھنے لگی اور لوگ ان ہی کے پاس رہ کر خدا کی عبادت کرنا چاہتے تھے۔ جب پیروؤں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو آروبندو گھوش نے وہیں پانڈیچری میں ایک آشرم کھول دیا اور اس کا انتظام ایک بہت ہی نیک فرانسیسی عورت "میرارچرڈ" کے ذمہ کردیا۔ جنھیں آشرم کے لوگ "ماتاجی" کہہ کر پکارنے لگے۔ اس آشرم میں آج بھی ہر مذہب، ہر قوم کے لوگ نیک زندگی گزارتے ہیں یہاں صرف ایک خدا کو ماننے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

آروبندو گھوش کی برسوں کی عبادت کا آخر ایک دن پھل مل ہی گیا اور ۲۴ر نومبر ۱۹۳۶ء کو انھیں ایک روشنی دکھائی دی۔ اس کے بعد تو وہ بالکل ہی بدل گئے اور دنیا سے رہا سہا تعلق بھی ختم کرلیا۔ وہ سال میں صرف چار مرتبہ کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے سے باہر آتے اور پیروؤں کو درشن دیتے تھے،

جس کے لیے نہ صرف ہندوستان کے چپّے چپّے سے بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں سے بھی ہزاروں لوگ آتے تھے۔ باقی دنوں میں ان کا سارا وقت بھگوان کی یاد اور مذہب کے بارے میں کتابیں لکھنے میں گزرتا تھا۔

آروبندو گھوش نے اپنی زندگی کا بہت سا حصّہ اکیلے ہی گزارا لیکن اس کے باوجود ان کی شہرت ساری دنیا میں پھیل گئی اور دنیا میں ہر جگہ لوگ ان کا نام بڑی عزّت سے لینے لگے۔

یوں تو انھوں نے کئی کتابیں لکھیں لیکن ان کی کتاب "ڈیوائن لائف" —— یعنی (مقدس زندگی) ساری دنیا میں مشہور ہے۔

آروبندو گھوش نے تقریباً اسّی سال خدا کی عبادت اور لوگوں کی خدمت میں گزارے آخری دنوں میں انھیں گردے کی بیماری شروع ہوئی اور آخر اسی بیماری سے ۵ دسمبر ۱۹۵۰ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

آروبندو گھوش بہت پڑھے لکھے آدمی تھے۔ چاہتے تو وہ ایک مالدار آدمی بن سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے خدا کی محبّت کے آگے دنیا کے آرام و دولت کو ٹھکرادیا اور اپنی ساری

زندگی خدا کی عبادت اور لوگوں کی خدمت میں گزاری ۔ گو وہ مر چکے
ہیں لیکن اُن کے بنائے ہوئے آشرم میں آج بھی دنیا کے چپّہ
چپّہ سے لوگ آتے ہیں اور نیکی اور سچّائی کے راستہ پر چل کر خوشی
کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کی چند مطبوعات

فسانۂ عجائب

مصنف

رجب علی بیگ سرور

صفحات:83

قیمت:-/16 روپے

باپو اور بچے

مصنف

پی۔ ڈی۔ ٹنڈن

صفحات:48

قیمت:-/12 روپے

چلو چاند پر چلیں

مصنف

جے پرکاش بھارتی

صفحات:64

قیمت:-/14 روپے

گاندھی اہنسا کا سپاہی

مصنف

پی۔ ڈی۔ ٹنڈن

صفحات:-/144

قیمت:-/21 روپے

ہندی کی ایک نادر داستان و دیگر مضامین

مصنف

بی۔ شیخ علی

صفحات:176

قیمت:-/22 روپے

جنگل کی کہانی

مصنف

رمیش نارائن تیواری

صفحات:94

قیمت:-/35 روپے

Rs. 16/-

ISBN: 978-81-7587-697-2

9 788175 876972

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of HRD, Department of Higher Education, Government of India

FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110 025